# آہنگِ غالب

یعنی

دیوان غالبؔ کی بہترین و مکمل شرح مع سوانحیات و تنقید کلام

از قلم

## فطرت نگار منشی پریم چند

پبلشرز: دوآبہ ہاؤس موہن لال روڈ لاہور

## ملنے کا پتہ:-

۱- دوآبہ ہاؤس موہن لال روڈ۔ لاہور

۲- دوآبہ ہاؤس لائل پور

۳- دوآبہ ہاؤس سری نگر (کشمیر)

## نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں (مرزا نوشہ)

مرزا ۱۲۱۲ ہجری کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ آباؤ اجداد ایبک قوم کے ترک تھے۔ ان کا سلسلہ نسب تور ابن افریدوں تک پہنچتا ہے۔ اسی خاندان میں ایک شخص ترسم خاں نامی پیدا ہوا۔ انہیں کی اولاد میں سے مرزا کے دادا تھے جو شاہ عالم کے عہد میں اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر ہندوستان میں آئے اُن کی مشہور اولاد نرینہ میں سے دو شخص تھے ایک عبداللہ بیگ خاں عرف مرزا دولہا۔ دوسرے نصر اللہ بیگ خاں۔ عبداللہ بیگ خاں نے ایک مشہور خاندان آگرہ میں شادی کی۔ اور تمام عمر بطریق خانہ داماد سسرال ہی میں بسر کی۔ ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ جن میں سے ایک مرزا اسد اللہ خاں غالب اور دوسرے یوسف خاں جو ایام شباب میں مجنون ہوئے اور غدر ۱۸۵۷ء میں انتقال کیا۔ مرزا عبداللہ بیگ خاں مختلف درباروں میں مناصب جلیلہ پر ملازم رہے لیکن آخر عمر میں راجہ بختاور سنگھ والی الور کے یہاں ملازم ہو گئے۔ اُن دنوں میں ریاست کا کوئی زمیندار باغی ہو گیا تھا جس کی سرکوبی کے لئے راجہ کو فوج بھیجنا پڑی۔ جس میں مرزا کے والد کو جانا پڑا۔ لڑائی کے ہنگامہ میں ان کے ایک گولی لگی جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ مگر قدردان آقا یعنی راجہ بختاور سنگھ نے اس جانبازی کے صلہ میں دو گاؤں جاگیر حاصل اور کسی قدر روزینہ مرزا مرحوم کے دونوں بچوں کی پرورش کے لئے مقرر کر دیا۔ جو مدت تک جاری رہا۔ مرزا غالب و مرزا یوسف خاں اپنے چچا نصر اللہ بیگ خاں کے زیر سایۂ عاطفت پرورش پاتے رہے۔ آخر عہد

انگریزی ہندوستان میں قائم ہوا۔ اور اُسی زمانہ میں مرزا نصراللہ بیگ خاں بعہدۂ رسالداری سرکارِ انگریزی میں ملازم رہے اور اُن کی ذات و رسالہ کی تنخواہ میں دو پرگنے سونک سونسا جو نواح اکبرآباد میں ہیں۔ اُن کے نامزد کئے گئے۔ وہ اُن کی زندگی تک اُن کے نام رہے۔ یکایک نصراللہ بیگ خاں کو بھی سفرِ عدم پیش آیا۔ جس میں مرزا اور اُن کے بھائی کو دقتیں اُٹھانا پڑیں۔ دونوں پرگنے تو نہ رہے۔ مگر سرکار نے ریاست فیروزپور جھرکہ سے ان دونوں کی پنشنیں مقرر کرا دیں جس سے سات سو روپیہ سالانہ مرزا غالب مرحوم کو ۱۸۵۷ء تک برابر ملتا رہا۔ بسبب تعلقات قلعہ پھر کچھ روز یہ پنشن بند ہو گئی اور مرزا کی بیگناہی کے بعد پھر پنشن جاری ہو گئی جو آخر عمر تک بدستور رہی۔

اگرچہ مرزا غالب مرحوم سن شعور بلکہ شادی ہونے کے بعد تک آگرہ ہی میں سکونت پذیر رہے۔ مگر سات برس کی عمر کے بعد دلی میں آتے جاتے رہے۔

## مرزا کی تعلیم و تربیت

رسمِ زمانہ کے موافق آگرہ کے ایک مشہور معلم شیخ معظم کی صحبت جاری ہوئی۔ مگر قسامِ ازل کے یہاں سے اُن کو فارسی کا ایک ذوق سلیم عطا ہوا تھا۔ اُس پر اور ایک یہ لطیفہ غیبی ہوا کہ کوئی شخص ژندہ و پاژند کا زبردست عالم جو اب مسلمان ہو گیا تھا۔ ایران سے سیاحانہ آگرہ میں وارد ہوا۔ مرزا سے کسی طرح ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے اُس کو دو برس تک مہمان رکھا اور اس سے علم و زبانِ فارسی کی تکمیل کی۔ اس شخص کا نام عبدالصمد تھا۔ اسی شخص کے فیضِ صحبت کی بدولت مرزا فارسی کے ایک زبردست زبان دان بنے اور عمر بھر اُن کو اس تعلیم پر ناز رہا۔



## مرزا کی شادی

چونکہ مرزا کے چچا نصراللہ بیگ خاں کا رشتہ نواب فخرالدولہ کے خاندان میں ہو چکا تھا۔ اس لئے بغیر کسی زحمت کے نواب الٰہی بخش خاں معروف کے یہاں مرزا کی شادی قرار پائی اور ساتویں رجب ۱۲۲۵ھ کو تیرہ برس کی عمر میں اُن کا عقد ہو گیا۔ اسی تقریب سے دلی میں ان کی آمد و رفت بڑھی۔ اور آخر چند روز بعد مستقل طریقہ سے وہ دلی ہی میں آ رہے۔ مرزا کا کوئی ذاتی مکان دلی میں نہ تھا۔ وہ ہمیشہ کرایہ کے مکان میں رہے اور آخر عمر میں حکیم محمود خاں صاحب کے مکان کے قریب رہتے تھے اور اگرچہ فراخدلی کی بدولت وہ ہمیشہ تنگدست رہتے تھے۔ مگر معاش کی طرف سے وہ کبھی محتاج نہیں رہے۔

## مرزا کی شاعری

بچپن ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی۔ اس فن میں اُنہوں نے کسی کو اپنا اُستاد قرار نہیں دیا اور نہ کچھ پتہ چلتا ہے کہ کوئی شاعری میں اُن کا اُستاد تھا۔ وہ محض اپنی موزونیٔ طبیعت اور شاعری کے فطری مذاق کے سبب سے شاعر بنے۔ فارسی کی طرح اوّل اوّل اُن کی اُردو شاعری بھی بیدلؔ وغیرہ کے رنگ میں تھی۔ اگرچہ اس رنگ کے چھوڑ دینے پر بھی اُن کی شاعری نہایت بلیغ رہی۔ مگر پھر بھی وہ پہلے کے مقابلہ پر بہت آسان ہو گئی۔

اگرچہ اوّل اوّل مرزا کے کلام کی قدر نہیں ہوئی۔ مگر جیسے ہی اُنہوں نے ایک نئی روش اختیار کی زمانہ میں دھوم مچ گئی۔ اور آخر ۱۲۶۶ھ میں ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ نے مرزا کو خطاب بھی دیا اور ۱۲۷۱ھ میں جبکہ ذوقؔ مرحوم کا انتقال ہوا تو مرزا کو بادشاہ نے غزلیں دکھانا اور اصلاح لینی شروع کی۔

# مرزا غالب کی شاعری

مولانا حسرت موہانی فرماتے ہیں :-

"جذبات انسانی کی جیسی سچی تصویر مرزا نے بصورت اشعار پیش کی ہے۔ اُس کا جواب میر کے بعد کسی دوسرے شاعر کے کلام میں مشکل سے دستیاب ہوسکے گا۔"

اُردو شاعری میں غالب ایک خاص طرز کے موجد تھے۔ انہوں نے اپنے اشعار میں فلسفہ۔ اخلاق۔ حکمت اور ہیئت کے اصول ایسی ندرت سے منکشف کئے ہیں۔ کہ قدما اور متوسطین کے علاوہ عہد حاضرہ میں بھی اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

میاں تصدق حسین صاحب خالد ایم اے فرماتے ہیں:-

"غالب اپنی زندگی میں اگرچہ کلیتہً غیر تسلیم شدہ نہ تھا۔ فضل حق خیرآبادی مفتی صدرالدین خاں۔ عبداللہ خاں علوی۔ امام بخش صہبائی۔ مومن خاں مومن نواب مصطفٰے خاں شیفتہ۔ نواب ضیاءالدین۔ سید غلام علی خاں وحشت اور سید الطاف حسین حالی تمام کے تمام اس کے محاسن کلام اور اس کے حسن شاعری کے مداح تھے۔ ایمرسن کہتا ہے۔ تم پہاڑ کو قریب سے نہیں دیکھ سکتے۔ غالب کے ہم عصر اسے اپنے عہد میں سمجھ نہ سکتے تھے۔ وہ اس کے بہت قریب تھے بلکہ تقریباً ساٹھ سال اس کی عظمت کے متعلق دلوں میں شکوک رہے اور ممکن نہ تھا۔ کہ دور جدید سے پیشتر غالب کی تنقید کی جاتی۔ ابھی تک اس عصر کی صبح نمودار نہیں ہوئی۔ جب ادبیات اور فلسفہ خیالات غالب کے تخیل سے ہم آغوش ہو جائیں گے۔"

غالب نے ہر صنف میں اپنی کمالیت کے نمونے پیش کئے۔ اول اول بیدل کا تتبع کر کے پیچیدہ اشکال کی موزونی پر طبع آزمائی کرتے رہے۔ لیکن جس وقت انہیں اپنی نادر الکلامی کا حقیقی احساس ہوا تو اس روش کو چھوڑ کر صاف کہہ دیا۔

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا | اسداللہ خاں قیامت ہے

مرزا غالب نے سادگی اور روانی کے ساتھ سلاست اور صفائی زبان کے وہ جوہر دکھائے۔ کہ فصاحت اور شیرینی کے دریا بہا دیئے۔ جیسا کہ اس کے کلام سے پایا جاتا ہے۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی | میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب | کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

کوئی دن گر زندگانی اور ہے | اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام | ایک مرگ ناگہانی اور ہے

یہ جی میں کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ ہم | سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر

چھوڑوں گا میں نہ اس بت کافر کا پوجنا | چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر

مرزا غالب کے کلام میں استعارات اور تشبیہات اور جدت و ندرت کا عنصر غالب ہے۔ یادگار غالب میں مولانا حالی فرماتے ہیں:-

"عام اور مبتذل تشبیہیں جو عام ریختہ گویوں کے کلام میں متداول ہیں مرزا جہاں تک ہو سکتا ہے ان تشبیہوں کو استعمال نہیں کرتے۔ بلکہ ہمیشہ نئی نئی تشبیہیں ایجاد کرتے ہیں۔"

مرزا نے موئے آتش دیدہ کو زنجیر سے۔ دانہ ہائے تسبیح کو دل خشاں سے۔

خانۂ مجنوں کو گرد در وازہ سے۔ صنوبر کو شہپائے پا بستہ سے۔ سانس کو موج سے۔ گرداب کو شعلہ جوالا سے تشبیہیں دی ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں ؎

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام ۔۔۔ مہرِ گردوں ہے چراغِ رہگذارِ بادیاں

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج ۔۔۔ شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا ۔۔۔ درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

سادہ تشبیہات بھی موجود ہیں۔ مثلاً ؎

دامن سے ہاتھ دھو بیٹھے اے آرزو خرامی ۔۔۔ دل جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی

علامہ طباطبائی نے لکھا ہے۔ کہ غالب کو متحرک تشبیہات کے پیدا کرنے میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ مثلاً

خلق ہے صفحۂ عبرت سے سبق ناخواندہ ۔۔۔ ورنہ ہے چرخ و زمیں ایک ورق گرداندہ

دمِ تحریرِ ظالم کہ کیا بود چراغ کشتہ ہے ۔۔۔ نبضِ بیمارِ وفا دودِ چراغِ کشتہ ہے

دل آویز فارسی ترکیبیں اور چست بندشیں پیدا کرنے میں مرزا کو شانِ امتیازی حاصل ہے۔ ڈاکٹر بجنوری لکھتے ہیں:۔

مرزا نے اپنے فلسفیانہ خیالات کے لئے موزوں الفاظ کی تلاش کی تو اردو کے ذخیرہ الفاظ کو بہت محدود پایا۔ چنانچہ کہتے ہیں:۔

بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل ۔۔۔ کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کیلئے

مرزا نے اپنے اظہار کے لئے خود الفاظ تیار کر لئے۔ الفاظ سازی کے فن میں مرزا استادِ کامل کا درجہ رکھتے تھے۔ مرزا کی نئی ترکیبیں ملاحظہ ہوں۔

دامِ شنیدن۔ غبارِ رسوم۔ آتشِ خاموش۔ جوہرِ اندیشہ۔ تمنائے تسلی۔ خانہ زادِ زلف۔ موجِ نگاہ۔ نبضِ خس۔ خرد دارئی ساحل۔ موجۂ گل۔ گذرگاہِ خیال۔ برگِ ادراک۔ طالعِ خاشاک۔ آئینۂ انتظار۔ لذتِ سنگ۔ مژگانِ تبسم۔



شہرِ آرزو۔ معاشِ جنوں۔ جنتِ نگاہ۔ فردوسِ گوش۔ داماں خیال۔ کالبدِ دیوار۔ گلستانِ تسلی۔ دعوتِ مژگاں۔ محشرِ خیال۔

نئی ترکیبوں کو اشعار میں موزوں کر کے وہ وہ معانی اختراع کئے جو اہلِ ذوق کو وجد میں لاتے ہیں۔ مثلاً ؎

نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا ۔۔۔ حبابِ موجۂ رفتار ہے نقشِ قدم میرا

یک قدم وحشت سے درسِ دفترِ امکاں کھلا ۔۔۔ جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

آتش پا[1] ہوں گدازِ وحشتِ زنداں نہ پوچھ ۔۔۔ موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

ہوئی جس کو بہارِ فرصتِ ہستی سے آگاہی ۔۔۔ برنگِ لالہ جامِ بادہ بر محمل پسند آیا

چستی بندش کے باب میں کافی مثالیں موجود ہیں۔ نمونہ دیکھئے ؎

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی ۔۔۔ بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

علامہ طباطبائی لکھتے ہیں:۔ بندش اس کی سحر کے مرتبہ تک پہنچ گئی ہے جس بندش کے لئے مطلع ذیل کی جزئیات قابلِ غور ہیں۔ مثلاً

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو ۔۔۔ نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے ۔۔۔ جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

مرزا غالب نے سنگلاخ اور مشکل بحور میں بھی شعر کہے ہیں۔ مثلاً

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب ۔۔۔ دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیم تن کے پاؤں ۔۔۔ رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤں

مسلسل نویسی میں غالب نے اکثر شعرائے عصر سے زیادہ لطف پیدا کیا۔ صرف دو مطلع دیکھ لیجئے۔

---

[1] بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیرِ پا

؎ منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی　　اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے

؎ پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے　　سینہ جویائے زخمِ کاری ہے

وہ فراق اور وہ وصال کہاں　　وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

مرزا غالب کے بعض اشعار میں سلسلہ خیالات اور جذبات کی ایسی تفصیل موجود ہے۔ جس کی تشریح کے لئے عشق و محبت کے بیسیوں واقعات کے دفاتر تک بھی ناکافی ہیں۔ مثلاً ؎

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں　　میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

نینداس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں　　جس کے شانے پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

رنگ ڈبے ہیں جب اُٹھے نہ ہر غم تب دیکھئے کیا ہو　　ابھی تو تلخیِ کامِ دہن کی آزمائش ہے

کھلتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ　　ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق　　وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

نظر لگے نہ کہیں اُسکے دست و بازو کو　　یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

غالب عملاً شراب نوشی کا شوق رکھتے تھے۔ انہوں نے اس صنف میں نہایت پرجوش اور رندانہ اشعار کہے ہیں۔ جن میں حافظ کی طرح فلسفہ طرازی پائی جاتی ہے اس لحاظ سے غالب اردو شاعری کے حافظ ہیں۔ کہا ہے۔

؎ پلادے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے　　پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

؎ رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم　　دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

؎ بہت سہی غمِ گیتی شراب کیا کم ہے　　غلامِ ساقیِ کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

غالب فلسفیانہ انداز میں امتیازی خصائص کے مالک تھے۔ حقیقتِ عالم کی اس طرح شرح کرتے ہیں۔

؎ ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد　　عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے



؎ عالم غبارِ وحشتِ مجنوں ہے سربسر　　کب تک خیالِ طرۂ لیلیٰ کرے کوئی

غالب کے نزدیک دنیا کی چہل پہل کم ہمت اشخاص سے ہے۔ کہتے ہیں ؎

رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے　　بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

غالب رسم و رواج کی قیود سے آزادی حاصل کرنے کی تحریک کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں　　پابستگیِ رسم و رہِ عام بہت ہے

مولانا حالی کی رائے ہے کہ متصوفانہ خیالات نے مرزا کو نہ صرف اپنے ہم عصروں میں بلکہ بارہویں صدی کے شعرا میں ممتاز بنا دیا ہے۔ مثلاً ؎

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے　　تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ　　دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

شوق اس دشت میں دوڑائے ہے ہم کو کہ جہاں　　جادہ غیر از نگہِ دیدۂ تصویر نہیں

غالب کے اخلاقی اشعار جو فارسی ترکیبوں سے آزاد ہیں۔ وہ کافی موثر ہیں۔

آئی اگر بلا تو جگر سے ٹلے نہیں　　ایڑی ہی دے کے ہم نے بچایا ہے کشت کو

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا　　یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

نہ سنو گر برا کہے کوئی　　نہ کہو گر برا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی　　بخش دو گر خطا کرے کوئی

غالب کو ذو معنی اشعار میں خاص ملکہ تھا۔ کلام ایسا پہلودار کہ بادی النظر میں اس کے کچھ اور معنی مفہوم ہوتے ہیں۔ مگر غور کرنے کے بعد دوسرے ہی لطیف معنی پیدا ہوتے ہیں ؎

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے　　دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق          ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد
الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ          جو تم سے شہر میں وہ دو چار ہوں تو کیونکر ہوں
زندگی میں وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے          دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے
ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق          نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی
مجھ کو دیار غیر میں مارا وطن سے دور          رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

غالب نے قصائد بھی لکھے ہیں۔ جو اردو شاعری کے لئے مایۂ ناز اور اصول قصیدہ گوئی کا سرمایہ ہیں۔ مثلاً یہ قصیدہ جس کا مطلع ہے۔

تشبیب:- ہاں مہ نو سنیں ہم اس کا نام          جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
گریز:- کر چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ          اے پری چہرہ پیک تیز خرام
کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا          ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام
تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن          نام شاہنشہ بلند مقام
قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ          مظہر ذوالجلال والاکرام
بعد از خطاب:- جبکہ چودہ منازل فلکی          کر چکی قطع تیری تیزی گام
تیرے پرتو سے ہوں فروغ پذیر          کوئے مشکوئے صحن و منظر و بام

قصیدہ رسمی ریشانی محاسن سے بالاتر ہے۔ اس کی متانت۔ جزالت اور سلاست ایک نئی روشنی کو پیش کرتی ہے۔ بقول طباطبائی قصیدہ کی تشبیب ایک کارنامہ ہے۔ اور جب سے اردو زبان میں قصیدہ گوئی شروع ہوئی ہے اس طرح کی تشبیب نہیں کہی گئی۔ اور قصائد کے آخر میں دعائیہ اشعار ایسے کہے ہیں جو مثال ہو کر رہ گئے۔ مثلاً

کاتب حکم نے بموجب حکم          اس رقم کو دیا طراز دوام
ہے ازل سے روانی آغاز          ہو ابد تک رسائی انجام



غالب نے متروک شدہ الفاظ بھی استعمال کئے ہیں۔

گوش مہجور پیام و چشم محروم جمال          ایک دل تس پر یہ نا امیدواری ہائے ہائے
دی سادگی سے جان پڑوں کوہکن کے پاؤں          ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پاؤں

دہلوی شاعر ضرورتاً زبان کو خیالات پر قربان کر دیتے تھے مگر غالب کے کلام میں تعقیدی الفاظ موجود ہیں مثلاً ۔

ہمیں پھر ان سے امید اور انہیں ہماری قدر          ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو

غالب کے کلام میں فارسیت سے مرکب اشعار بھی پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے اگر اردو کا فعل علیحدہ کر دیا جائے تو اچھا خاصہ فارسی کا شعر بن جاتا ہے۔ مثلاً

درس عنوان تماشا بتغافل خوشتر          ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے
شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا          تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

محاوروں کی غلط ترکیب نے غالب کے کلام میں عیوب بھی داخل کر دئے۔ مثلاً

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا          باندھ شہزادے جواں بخت کے سر پر سہرا

غالی سہرا نہیں کہتا۔ محاورہ بقول طباطبائی یہ ہے۔ ترے سر شادی کا سہرا یا تیرے سر فضیلت کا سہرا۔

از قبیل شد و مرزا غالب کے دیوان میں ایسے اشعار بھی موجود ہیں جن پر ہیچ مذاق اور نہ بیان ہیچ کا اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ مثلاً

خلاف شان شخص:- پینس میں گزرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے          کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے
بھوں کا نقص:- بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہئے          مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہئے
الفاظ بے محل متانت غلط:- بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار میں          فرمانروائے کشور ہندوستان ہے

تقاضا بضرورت قافیہ :- دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا

خوباں خلاف محاورہ ہے سادہ پُرکار ہیں خوباں غالب

نہ غلط آیا ہے :- قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

انداز قافیہ بر معنی جادہ :- آمد سیلاب طوفان صدائے آب ہے نقش پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے

شعر ذیل میں مجھے کے بعد اپنی اوقات سے آنا چاہئے مگر ایسا نہیں ہے۔

اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

پریم چند ——— پریم سدن لاہور

---

پیلی الیکٹرک پریس ... روڈ لاہور میں باہتمام ... احمد [illegible] چھپی
اور پریم چند پبلشر نے ... سے شائع کیا

# (شرح) دیوان غالب

## (۱)

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

نقش فریادی = پکارنے والا، گلہ کرنے والا ۔ شوخی تحریر = صنعت تحریر یا رنگینی تحریر ۔ کاغذی پیرہن = ملبوس فنا یا لباس عجز ۔ پیکر تصویر = صورت تصویر یعنی شکل، خاکہ، قالب ۔

انسان بزبان حال بطور کمال مصور کی قدرکاری کو عیاں کرتا ہے اور نقش کاغذی پیرہن ہونے کے باوجود خدا کی رنگینی تحریر کا معترف ہے یا انسانی وجود بے بود (کاغذی پیرہن) ہونے پر کسی کے کرشمۂ ایجاد (شوخی تحریر) پر دلیل بن کر ثبوت لاتا ہے یا یہ جسم باوجود لباس عجز کے کسی کے صنعت کمال کا گلہ کرنے والا ہے۔

عہد قدیم میں مستغیث اظہار عجز کے لئے کاغذ کے کپڑے زیب تن کرکے حاکم کے سامنے جاکر فریادی ہوا کرتے تھے۔ کمال اسمٰعیل کا شعر دیکھئے۔

ـــ کاغذی جامہ بپوشید و بدرگاہ آمد تا دہ ناظر ہیں تابدہی داد مرا

شعر میں استفہام نے اشارہ صریح کا اظہار کیا ہے۔ اور اس قسم کے تمام سوالات جن کا جواب بدیہی اور موجود ہوا کرتا ہے وہ حسن کلام کا ثبوت ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو استاد کا شعر لکھا ہوا اور مضمون نہ مضامت اپنے اندر رکھتا ہے مگر لوگوں نے غور سے کام نہ لے کر اس شعر کو مہمل کہا ہے۔

کاو کاو سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

تیشہ : تیغہ ✦ کوہکن : فرہاد ✦ سرگشتۂ خمار : مستِ نشاط ✦ رسوم و قیود : رسمی پابندیاں ✦

فرہاد کے ذہن میں عقل کی مستی کا خمار تھا جس نے اپنی ہلاکت کے لئے تیشہ کا التزام کیا۔ حالانکہ عشاق کی ہلاکت ان غیر فطری پابندیوں کی بجائے آہ و نالہ یا غمزۂ چشم سے ہوا کرتی ہے۔

(۳)

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا　　دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا

تم جو کہہ رہے ہو کہ دل اگر پڑا پایا تو ہم نہ دیں گے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے پاس دل ہے یا دل لینے کی خواہش ہے ورنہ اس انداز سے اظہارِ خیال نہ ہوتا۔

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا　　درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

عشق سے طبیعت کو زندگی کا لطف معلوم ہوا۔ گویا یہ دردِ بے دوا (عشق) دردِ زندگی کے لئے دوا ہو گیا۔

دوست دارِ دشمن ہے اعتمادِ دل معلوم　　آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

دل پر اعتماد کیسا؟ جس نے بے اثر اور نارسا نالہ جاری کر دیا ہے۔ حقیقت میں یہ دل کے رقیب بننے کا نتیجہ ہے۔

سادگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری　　حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

حسن کا تغافل جرأتِ عشق کی آزمائش لینا ہے۔ لیکن ہم بھی بیخودیِ عشق میں اس کی چالاکی و پرکاری کو سادگی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اور عقل رکھتے ہیں۔

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل　　خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

غنچہ کھلنا : نرالی بات کرنا ✦ خون کیا ہوا : مبتلائے عشق یا کشتۂ حسن ✦



آج پھر وہی فتنہ نمودار ہوا۔ اور ہمارا دل ہاتھوں سے ہی جاتا رہا۔

حالِ دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی　　ہم نے بارہا ڈھونڈا تم نے بارہا پایا

دل کا اور کچھ حال تو معلوم نہیں لیکن اس قدر جانتا ہوں کہ میں نے جب تلاش کی تو وہ تیرے پاس ہی نکلا۔

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا　　آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا

ناصح کی نصیحت نے زخم پر نمک پاشی کا کام کیا۔ اس سے دریافت تو کیا جاتا کہ تم نے اس سے کونسا فائدہ حاصل کیا۔

(۴)

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا　　آتشِ خاموش کے مانند گویا جل گیا

سوزِ نہاں کی رعایت سے آتشِ خاموش کا ذکر آیا ہے۔ بے محابا : کھلم کھلا ✦ میرا دل سوزِ نہاں سے بلا پس و پیش جل گیا ہے۔

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں　　آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

آگ سے مراد عشق ہے۔

اب نہ تو ذوقِ وصل کی تمنا ہے اور نہ یادِ محبوب۔ اس گھر میں عشق کی آگ ایسی بھڑکی کہ سارا اثاثہ جل گیا۔

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا　　میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

عدم : مقامِ فنا ✦

جب میری آتشیں آہ سے بالِ عنقا جلتا تھا۔ اُس وقت میں ملکِ عدم میں تھا۔ اور اب اُس سے بھی دُور ہوں یعنی میری بے خودی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ مقامِ فنا سے بھی گذر چکا ہوں۔

عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں　　کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

جوہر اندیشہ = فکر و خیال +

اپنے فکر و خیال کی گرمی کو کہاں تک پہنچاؤں جس کی یہ حالت ہے کہ وحشت اور دیوانگی کا خیال آتے ہی صحرا بھی شعلہ زن ہونے لگ جاتا ہے۔

**دل نہیں تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار      اس چراغاں کا کروں کیا کارفرما جل گیا**

میرے اگر دل ہوتا تو داغوں کی بہار دکھاتا۔ کیا کروں کارفرما دل نہیں رہا۔ داغوں کی بہار کہاں سے نظر آئے۔

**میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالبؔ کہ دل      دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دُنیا جل گیا**

میں کبھی دائمی مسرت رکھتا تھا۔ اب اہل زمانہ کی سرد مہریوں سے افسردہ دلی چھائی ہوتی ہے اور کسی سے ملنے کے قابل ہی نہیں رہا۔

(۵)

**شوق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا      قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا**

شوق ہر رنگ = عشق ہر طرح + یہاں رنگ تصویر کی رعایت سے ہے۔

رقیب = دشمن +

عشق ہر حالت میں آرائش اور ساز و سامان کا دشمن ہے۔ تصویر اگرچہ رنگ سے بنتی ہے۔ مگر قیس نقش میں بھی عریاں اور جامہ دریدہ ہے جو اس کی آوارگی کا بیّن ثبوت ہے۔

**زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی یا رب      تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا**

داد نہ دی = ہمدردی نہ کی + پرافشاں = سراسیمہ

پہلے ہی دل تنگ تھا اس وقت خیال آیا کرتا تھا کہ زخم سے کشادگی حاصل ہوگی لیکن دیکھئے تیر تو زخم سے سراسیمہ ہو کر پھر باہر نکل آیا۔ اور زخم کے باوجود بھی تنگیٔ دل کا عالم بنا رہا۔



**بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل      جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا**

اے محبوب! تیرے ستم کی یہ کیفیت ہے کہ جو تیری بزم سے نکلتا ہے پریشان ہو کر نکلتا ہے۔ بو، نالہ، دھواں اسی پریشانی کے مظہر ہیں۔ بندش اور خیال کے اعتبار سے شعر از حد بہترین ہے۔

**دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد      کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا**

مائدہ = خوانِ نعمت + بقدر لب و دنداں = معمولی، عارضی، سرسری +

میرا حسرت زدہ دل بعض دوستوں کی لذتوں کا پُر درد خوانِ نعمت بن گیا۔ اچھا ہوتا اگر حسرت و درد سے حقیقی سیری حاصل ہوتی۔ اور یہ لطف عارضی نہ ہوتا۔

**اے نو آموزِ فنا ہمتِ دشوار پسند      سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا**

نو آموز = مُبتدی +

میری حالت عام مُبتدیوں سے مختلف تھی۔ اسی لئے دشواری محسوس نہ کرتا تھا۔ اور جب مقام فنا پیش آیا تو وہاں مجھے فنا سے گزرنا آسان معلوم ہُوا۔ اور زیادہ مُشکلات کی جستجو کرنے لگا۔

**دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالبؔ      آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا**

اشک کے قطروں نے دل میں طوفان اُٹھا رکھا ہے۔ ہم نے ان کو ضبط کر کے روکا ہُوا تھا۔

(۶)

**دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا      عشقِ نبرد پیشہ طلبگارِ مرد تھا**

اگر عشق میں آدمی مردانہ وار جرأت نہ کھائے۔ تو مشکلات و مصائب کا خوف عشق کو باطل کر دے۔

**تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہُوا      اُڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا**

زندگی میں ہی میرے آثارِ حیات مفقود تھے اور موت کے خوف سے مردنی چھائی رہتی تھی۔

تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں ۔۔۔ مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

میں ابتدائے عشق میں ہی وفا کو شیوہ بنائے ہوئے تھا۔ جبکہ معشوق کو میرے عشق کی خبر تک نہ تھی۔

تا جگر کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب ۔۔۔ اس رہگذر میں جلوۂ گُل آگے گرد تھا

افسردگی کا یہ عالم کہ دل سے جگر تک ایک ساحلِ دریائے خون ہے لیکن کسی وقت فصلِ بہار کے سامنے پھولوں کی آب و تاب گرد و غبار سے زیادہ نہ تھی۔

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی ۔۔۔ دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

اندوہ = غم +

غمِ عشق کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ دل اگر چلا جائے تو اُس کے جلنے کا غم ضرور باقی رہتا ہے۔ جو غمِ عشق کی یاد کو تازہ کرنے کا کام کرتا ہے۔

احباب چارہ سازیٔ وحشت نہ کر سکے ۔۔۔ زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

میری آشفتہ سری کا علاج احباب سے بھی نہ ہو سکا۔ اور قفس میں بھی خیالِ وحشت نے عشق کے بیاباں کی بادہ پیمائی کا عالم پیشِ نظر کیا ہُوا تھا۔

یہ لاش بے کفن اسدِؔ خستہ جاں کی ہے ۔۔۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

یہ بے کفن لاش تھکے ماندے عاشق کی ہے۔ خدا اس مردِ آزاد کو بخشش عنایت کرے۔

(۷)

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا ۔۔۔ تماشائے بیک کف بُردنِ صد دل پسند آیا

شمارِ سبحہ = تسبیح پڑھنا + مرغوب = اچھا + بیک کف بردنِ صد دل = ایک ہی ہاتھ میں سو دل اُٹھا لینے تسبیح کے اعتبار سے سو دانے کہے ہیں + بُت = معشوق +



مشکل پسند محبوب کو تسبیح خوانی اس لئے اچھی معلوم ہُوئی کہ اس سے ایک ہی ہاتھ میں سو دل اُڑا لینے کا تماشا دیکھنے میں آتا ہے۔

بہ فیضِ بیدلی نومیدیٔ جاوید آساں ہے ۔۔۔ کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

بیدلی = افسردگی + نااُمیدیٔ جاوید = دائمی مایوسی + عقدۂ مشکل = استعارہ دلِ افسردہ +

افسردگی کی وجہ سے دائمی مایوسی حاصل ہے۔ کیونکہ خود کشائش کو میری افسُردہ دل کا ناقابلِ حل ہونا پسند ہے۔

ہوائے سیرِ گُل آئینۂ بےمہریٔ قاتل ۔۔۔ کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

ہوائے سیرِ گُل = خواہشِ سیرِ باغ + آئینۂ بے مہری = نمودِ ستمگاری + بخوں غلطیدن = خون میں لوٹنا +

اُس کی سیرِ باغ کی خواہش بے مہری کی دلیل ہے۔ اسی لئے اُسے پھولوں کا رنگ پسند ہے۔ جو خونِ بسمل کی مانند ہُوا کرتا ہے۔

(۸)

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہُوا ۔۔۔ ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہُوا

نقش = لفظ +

زمانہ میں وفاداری کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ لفظ بے مصرف ہونے کی وجہ سے مہمل اور بے معنی ہے۔

سبزۂ خط سے ترا کاکُل سرکش نہ دبا ۔۔۔ یہ زمرد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہُوا

سبزۂ خط = کاکُل زلف + افعی = سانپ +

دیکھتے ہیں) زمرد کی روشن تجلی سے سانپ اندھا ہو جاتا ہے۔ مگر کاکل زلف سے محبوب کی زلف کا رنگ ماند نہ پڑا۔ اور معشوقیت کا وہی عالم نظر آ رہا ہے جو پہلے دکھائی دیتا تھا۔

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ جفا سے چھوٹوں      وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہُوا

اندوہ جفا = غم ستم ۔

میں نے چاہا کہ وہ جان ہی لے لے تاکہ آئے دن کی ستم کشی سے نجات مل جائے لیکن وہ اس پہ بھی راضی نہ ہُوا۔

دل گزرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی      گر نفس جادۂ سر منزلِ تقویٰ نہ ہُوا

گزرگاہ = راستہ ۔ جادہ = سانس ۔

زندگی اشغال پرہیزگاری سے معمور نہیں تو دل میں مے و ساغر کا خیال ہی سہی۔ کچھ تو ہونا چاہئے۔

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی      گوش منت کشِ گلبانگِ تسلی نہ ہُوا

گوش = کان ۔ منت کش = احسانمند ۔ گلبانگ = مژدہ خوشخبری ۔

میں تیرے وعدہ نہ کرنے پہ بھی راضی ہوں۔ کیونکہ کانوں نے مژدہ خوشخبری کے احسان کا بار نہیں اُٹھایا۔

کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجے      ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہُوا

محرومیِ قسمت کی شکایت کس سے کریں۔ ہم نے مرنا چاہا مگر اس سے بھی محروم ہی رہے۔ اور موت نہ آئی۔

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب      ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہُوا

یک جنبشِ لب = ہونٹوں کی ایک حرکت ۔ دم عیسیٰ = عیسے کا مردوں کو [illegible]



مریض عشق کو جنبش لب نے روح فرسا صدمہ پہنچایا۔ دم مارنے کی نوبت کہاں؟ پہلے ہی کام تمام ہو گیا تھا۔

(۹)

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا      وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا

ستائش گر = مداح ۔ باغ رضواں = جنت ۔ طاق نسیاں = بھلا دینا۔ لیکن یہاں تاکید اور مبالغہ کے معنی میں ہے۔

زاہد جس جنت کی تعریف کرتا ہے وہ ہم بیخودوں کی فراموشی کا ایک خیالی گلدستہ ہے۔ اور ہم جس بہار عشق کے عالم میں ہیں وہاں جنت کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

بیاں کیا کیجئے بیدادِ کاوش ہائے مژگاں کا      کہ ہر اک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیحِ مرجاں کا

کاوش ہائے = جمع کاوش ۔

مژگان کی کاوش بیداد کا کیا ذکر کروں۔ یہاں ہر ایک خون کا قطرہ دانہ بنا ہوا ہے جس سے ایک تسبیح تیار ہو گئی ہے۔

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو      لیا دانتوں میں جو تنکا ہُوا ریشہ نیستاں کا

سطوت = رعب ۔ دانتوں میں تنکا = اظہار عجز ۔ نیستان = جہاں نے پیدا ہو۔

معشوق کے رعب کا میرے نالوں پر قطعاً اثر نہ ہُوا۔ بلکہ مرعوبیت سے جو تنکا میں نے دانتوں میں لیا وُہ نے بن کر نالہ کناں ہو گیا۔

دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے      مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا

زمانے نے اگر فرصت دی تو اسی دل سے سرو چراغاں کا تماشا دکھاؤں گا میرے دل کے داغوں کو داغ نہ سمجھو یہ تو سرو چراغاں کا ایک تخم ہے۔

کیا آئینہ خانہ کا وُہ نقشہ تیرے جلوے نے      کرے جو پرتوِ خورشید عالم شبنمستاں کا

شبنمستان = قطرات شبنم کی کثرت کا مقام ۔

تیرے جلوہ نے آئینہ خانہ میں وہ نظارہ پیش کیا۔ کہ پرتو خورشید سے شبنم کا ایک ایک قطرہ چمک کر تابندہ شعاعوں سے جلوہ نما ہوتا نظر آتا ہے۔

**میری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا**

ہیولیٰ = اصل ہر شے ۔

عام خیال یہ ہے کہ بقا و فنا ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن غور کریں تو معلوم ہوگا کہ کسی چیز کا وجود ایک لحاظ سے اس کی فنا کی علت بھی ہے۔ اسی مسئلہ کو مرزا نے اس پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ کہ کاشتکار کی محنت و دوہی اس کے برق خرمن کا باعث ہے وہ سعی و محنت کر کے پسینہ سے شرابور ہوتا ہے۔ تو تب اُس کا پسینہ بھاپ بن کر بادلوں کی شکل سے رنگ کھاتا ہوا بجلی کے ذریعہ بربادی کا باعث بن جاتا ہے۔

**اُگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا**

میرے گھر کی ویرانی کا یہ عالم ہے کہ شاہراہوں پر بھی گھاس پیدا ہو گئی ہے اور دربان کو سوائے گھاس کھودنے کے کوئی کام نہیں ہے یا میرے گھر پر کوئی غیر و بیگانہ نہیں آتا اسی لئے دربان سبزہ بیگانہ کو کھودنے میں مصروف ہے۔

**خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں چراغ مُردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا**

زبان کی تشبیہ لو سے۔ چراغ مُردہ = بجھا ہوا چراغ یا خاموشی بے زبانی وغیرہ

میری خاموشی میں لاکھوں آرزوؤں کا خون پنہاں ہے۔ بلکہ خود میری ہستی گورستان کے بجھے ہوئے چراغ سے کم نہیں ہے۔

**ہنوز اک پرتو نقش خیال یار باقی ہے دل افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا**

دل افسردہ ہے لیکن اس میں کچھ کچھ خیال محبوب کا نقش باقی ہے یا حجرۂ زنداں ہے اور وہ بھی حضرت یوسف علیہ اسلام کی جیل کی تاریک کوٹھڑی کی مانند۔

**بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا**



تمہارا خواب میں حجاب آمیز مسکراہٹ کا سبب ہی بتلا رہا ہے کہ آج کہیں غیر کی بغل میں سوئے ہیں۔

**نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا**

مژگاں سرشک آلودہ = آنسوؤں سے تر پلکیں ۔

معلوم نہیں تیری آنسوؤں سے تر پلکوں کو دیکھ کر کس کس کی جان جاتی رہی ہوگی۔ تیرا رونا بھلا کسی سے دیکھا جا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

**نظر میں ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالب کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا**

نظر میں ہے ہماری = ہماری دانست یا خیال میں ہے ۔ اجزائے پریشان = کائنات موجودات ۔

ہمارا خیال ہے کہ دنیا کے اجزائے ممکنات کے سامنے راہ فنا شیرازہ کی مانند ہے۔ اور سب اسی راستہ سے گذر کر جمع ہوتے ہیں۔

(۱۰)

**نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا حباب موجۂ رفتار ہے نقش قدم میرا**

ایک صحرا کی بادیہ پیمائی سے میرا ذوق صحرا نوردی کم نہیں ہوگا۔ میرا ہر قدم حباب کی مانند محو رفتار ہے جو کسی شمار میں نہیں اور نہ ہی میرے راستہ میں کوئی روک اوٹ ہے۔

**محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے کہ موج بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا**

ناامیدی نے میرے دل کو اتنا خود سر کر ڈالا۔ کہ جس بوئے گل سے محبت تھی اُسی سے نفرت اور کلفت ہوتی ہے۔

(۱۱)

**سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا**

سراپا رہنِ عشق = ہمہ تن گرفتارِ عشق ۔ ناگزیر = مجبور ۔ خرمن = پیداوار ۔

میں سراپا اسیرِ کمند عشق ہوں۔ اور زندگی کی خرابی کا بھی فکر ہے۔ گویا آفت برق اور حاصل کے غم کی اُلجھن میں پڑا ہوں۔

بقدرِ ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی　　جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

بقدرِ ظرف = باندازہ حوصلہ ۔ خمیازہ = انگڑائی ۔

میری مے نوشی کی خواہش اسی طرح ہے جس طرح ساقی کے فیض و بخشش کا حوصلہ۔ اگر ساقی دریائے مے ہے تو میں اس دریا کو گھیرنے والا ساحل ہوں۔

(۱۲)

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا　　یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

کائنات کا ایک ایک ذرہ ہمیں حقیقت شناسی کی دعوت دے رہا ہے۔ لیکن ہماری نااہلی ہے کہ ہم اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے　　یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا

شگفتنِ گلہائے ناز = معشوق کے ناز و انداز کی کلکاریاں ۔

عاشق کے ایک ہی وقت میں سرور و اضطراب کی کیفیت کا اظہار ہے۔ یعنی شکستہ رنگِ عاشق اور لطفِ دیدارِ معشوق کی ناز آفرینی کا نظارہ پیش کیا ہے۔

تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز　　میں اور دُکھ تری مژہ ہائے دراز کا

نظرہائے تیز تیز = تجسس نگاہیں ۔ مژہ ہائے دراز = مژہ کی خوبی درازی سے ہے۔

تو بار بار غیر کی تجسس نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ اس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ مژگانِ نازک کے لئے نرم دل چاہئے۔

صرفہ ہے ضبطِ آہ میں میرا وگرنہ میں　　طعمہ ہوں ایک ہی نفسِ جاں گداز کا

صرفہ = فائدہ ۔ طعمہ = لقمہ ۔

ضبطِ آہ ہی میرے اضطراب کے لئے بہتر ہے۔ ورنہ میرا کام تو ایک ہی دردناک آہ سے تمام ہو چکا تھا۔

ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے　　ہر گوشۂ بساط ہے سرِ شیشہ باز کا

شیشہ بازی = پرانے زمانہ میں بازی گر شیشے سر پر رکھ کر کھیل کیا کرتے تھے۔

گوشۂ محفل میں شراب کے جوش سے شیشے (شراب نوشی کے آلات) اس طرح رقص کر رہے ہیں۔ جیسے شیشہ باز کے سر پر شیشے کے برتن۔

کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز　　ناخن پہ قرض اس گرہِ نیم باز کا

دل تنگی = افسردگیِ خاطر ۔ گرہِ نیم باز = استعارہ دل ۔

دل کوشش و کاوش کا تقاضا کرتا ہے۔ یعنی ناخنِ تدبیر پہ دل کا داغ ابھی باقی ہے۔

تاراج کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسدؔ　　سینہ کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا

میرا سینہ غمِ جُدائی سے لُٹ گیا۔ جس میں عشق و محبت کے گہرِ آبدار کا خزانہ بھرا ہوا تھا۔

(۱۳)

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا　　رکھیو یا رب یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا

گنجینۂ گوہر = منبعِ کمال ۔

شہنشاہ کی بزم میں مجلسِ مشاعرہ منعقد ہے۔ اے خدا اس منبعِ کمال مجلس کو جاری رکھیئے (دعائیہ)

شب ہوئی پھر انجمِ رخشندہ کا منظر کھلا　　اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا

انجم رخشندہ = چمکدار ستارے ✦

شب ہُوئی اور چمکدار ستارے (شاعر) نمودار ہُوئے ہیں۔ جس طرح بُت خانہ میں بزمِ چراغاں کے منظر کی شان ہوتی ہے۔

**گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب**
**آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں نشتر کھلا**

میری دیوانگی کے علاج کے لئے بظاہر اس کے ہاتھ میں نشتر موجود ہے۔ لیکن آستین میں خنجر چھپائے ہُوئے ہے تاکہ اسی بہانہ سے قتل کر دیا جاؤں مگر میں اُس کے فریب میں آنے والا نہیں ہوں۔

**گو نہ سمجھوں اُسکی باتیں گو نہ پاؤں اُس کا بھید**
**پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا**

پری پیکر = حسنِ مجسم ✦

گو میں حسنِ مجسم محبوب (شہنشاہ) کی گفتگو کے راز سے ناواقف ہوں۔ اور اس کا بھید نہیں پا سکتا۔ لیکن کیا یہ کم افتخار ہے کہ آزادانہ گفتگو جاری ہے۔

**ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال**
**خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا**

تصورِ محبوب کتنا دلکش اور پر فریب ہے کہ قبر میں بھی اُس کے تصور سے باغِ بہشت کا دروازہ کھلا ہُوا معلوم ہوتا ہے۔

**مُنہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں**
**زلف سے بڑھ کر نقاب اُس شوخ کے مُنہ پر کھلا**

شوخی دیکھئے کہ ابھی محبوب کے منہ سے نقاب ہٹا ہی نہیں کہ حسن بے مثل پردہ پھاڑ کر شوخی سے بے نقاب ہونے کو آ رہا ہے۔ یعنی زلف سے زیادہ کشش اُس کے نقاب میں نظر آ رہی ہے۔

**در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا**
**جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہُوا بستر کھلا**

اُس کے دروازہ پر پڑا رہنے کا اقرار کیا تھا لیکن کمال تو یہ ہے کہ وہ فی الفور مُنکر ہو گیا۔ اور نہایت قلیل مدت میں ہی اس نے یہ معجزہ دکھایا۔ جس کا شمار



بھی نہیں ہو سکتا۔

**کیوں اندھیری ہے شبِ غم ہے بلاؤں کا نزول**
**آج اُدھر ہی کو رہیگا دیدۂ اختر کھلا**

شبِ غم ہجر کی تاریکی میں کیا آج ستارے روشن نہیں ہوں گے۔ کتنی سخت مصیبت ہے۔ آج شاہد (محبوب) زمین کی طرف رُخ نہیں کریگا۔

**کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حوادث کا یہ حال**
**نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا**

غربت میں کیسے بشاش رہ سکتا ہوں جہاں آفات، رنج اور رسوائی کا یہ حال ہو کہ وطن سے آیا ہُوا خط بھی بُری خبروں کا حامل ہوتا ہے۔

**اُس کی اُمت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند**
**واسطے جس شہ کے غالبؔ گنبدِ بے در کھلا**

میں حضرت محمد صاحب کی اُمت سے ہوں۔ جن کے لئے آسمان کے دروازے کھل گئے تھے پھر میری مُرادیں کیوں نہ بر آئیں گی۔

(۱۴)

**شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا**
**شعلۂ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تھا**

برق = بجلی ✦ سوزِ دل = تپشِ قلب ✦ زہرہ آب تھا = خوف طاری تھا ✦ شعلہ جوالا = شعلہ لرزاں ✦

رات کی بارش ایسے تھی جیسے برقِ سوزِ دل سے ابر گُھل گُھل کر خوف سے پانی پانی ہو کر برس رہا تھا۔ اور بھنور کی گردش شعلہ لرزاں معلوم ہوتی تھی۔

**واں کرم کو عذرِ بارش تھا عناں گیرِ خرام**
**گریے سے یاں پنبۂ بالش کفِ سیلاب تھا**

عناں گیرِ خرام = مانعِ خرام ✦ پنبۂ بالش = تکیہ کی روئی ✦ کفِ سیلاب = جھاگ ✦

ان کے تشریف لانے میں بارش کا عذر اور یہاں رونے اور گریہ و زاری کرنے سے طوفان کی آمد نے تکیہ کی روئی کو کفِ سیلاب (جھاگ) بنا ڈالا تھا۔

واں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال — یاں ہجوم اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا

واں خود آرائی = اُن کی ولولہ زینت کی اُمنگ ۔ ہجوم اشک = کثرت گریہ ۔

اُن کی زیب زینت کی اُمنگ بال بال میں موتی پرونے میں محو تھی۔ اور یہاں کثرت گریہ نے نگاہ پر پانی پھیر دیا تھا جس سے کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔

جلوۂ گل نے کیا تھا واں چراغاں آب جو — یاں رواں مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

جلوۂ گل = پھولوں کی تابش ۔ آب جو = نہر کا پانی ۔ خونناب = خونی آنسو ۔

وہاں پھولوں کے دلفریب رنگین عکس سے نہر کے پانی میں چراغاں کا سماں پیش نظر تھا۔ اور یہاں گریہ کی کثرت سے خونی آنسو جاری تھے۔

یاں سرِ پُرشور بےخوابی سے تھا دیوار جو — واں وہ فرقِ ناز محوِ بالشِ کمخواب تھا

سرِ پُرشور = دیوانگی کے عالم میں ۔ فرقِ ناز = پُرغرور معشوق کا سر ۔

محو بالش کمخواب = کمخواب کے تکیہ پر سویا ہوا ۔

ہمارا سر دیوانگی سے دیوار کی تلاش میں تھا کہ اُس سے سر پھوڑ ڈالیں اور دوسری طرف یہ عالم کہ محبوب کا سر کمخواب کے تکیہ پر استراحت میں مست تھا۔

یاں نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بیخودی — جلوۂ گل واں بساطِ صحبتِ احباب تھا

بساط جلوۂ گل = پھولوں کا فرش ۔ نفس = آہ شرر فشاں ۔

آہ شرر فشاں یہاں بزم بیخودی و بےتابی کی شمع تھی۔ اور وہاں احباب کی مجلس کے لئے پھولوں کا فرش مسند بنا ہوا تھا۔

فرش سے تا عرش واں طوفاں تھا موجِ رنگ کا — یاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا

طوفان = شدت جوش ۔ موج رنگ = ولولہ نشاط ۔ سوختن = جلنا ۔

وہاں زمین و آسمان ولولہ نشاط سے لبریز تھے۔ یہاں چار سو آگ کی لپٹیں بلند ہو رہی تھیں۔



ناگہاں اس رنگ سے خونناب ٹپکانے لگا — دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا

کاوش ناخن = خراش ناخن ۔

آخر کار دل جو خراش ناخن سے لذت کو تازہ رکھتا تھا۔ خون کے آنسو گرانے لگ گیا۔

(۱۵)

نالۂ دل میں شب اندازِ اثر نایاب تھا — تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بیتاب تھا

سپند = کالا دانہ جو نظر بد سے بچائے ۔

نالۂ دل میں رات کی بیتابی کے باوجود اثر نہیں تھا۔ دل جل رہا تھا اور اس کا جلنا غالباً بزم وصل غیر کی نظر بد سے کی وجہ سے تھا۔

مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے — خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا

مقدم سیلاب = طوفان آب کی آمد ۔

میرا دل طوفان آب کی آمد کی مسرت سے نغمہ سرائی کر رہا ہے یا یہ کہ عاشق کا گھر صدائے آب سے ساز بن گیا۔

نازشِ ایامِ خاکستر نشینی کیا کہوں — پہلوئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا

نازش = فخر ۔ خاکستر نشینی = ترک اسباب کر کے ۔ اندیشہ = فکر ۔

بستر سنجاب = معشوق کا بستر ۔

ترک اسباب اور بے سر و سامانی کا فخر کیسے بیان کروں جبکہ خاک نشینی میں بھی محبوب کے بستر کا تصور موجود تھا۔

کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یاں — ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ عالمتاب تھا

نامرادی عشق سے کچھ نہ بن پڑا۔ ورنہ میدان عشق کا ذرہ ذرہ خورشید عالمتاب سے کم نہیں تھا۔

عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ  عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

ہم عالمِ عشق کی خوشی اور شوق کو کیسے بیان کریں۔ جہاں جان تک قربان کر دینا عید کی خوشی سے کم نہیں ہے۔

لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط  تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا

تمنائے نشاط = آرزوئے عیش + بصد رنگ = ہر رنگ سے +

خوشی کی خواہش کو ہم اپنے ساتھ قبر میں لے گئے مگر خدا کرے۔ تم ہمیشہ شادکام رہو۔

عشرتِ پارۂ دل زخمِ تمنا کھانا  لذتِ ریشِ جگر غرقِ نمکداں ہونا

عشرت = سرور راحت + پارہ دل = دل کا ٹکڑا + ریشِ جگر = جگر کا ہر ایک زخم +

ناکامی اور محرومی ہمارے سرور و راحت کی وجہ سے پیش آتی ہے۔ شاعر نے یہاں حسبِ درد کا اظہار کیا ہے۔

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ  ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

عاشق کو شہید کر دینے کے بعد محبوب نے جفاکاری سے توبہ کی۔ اس کے اتنا جلد پشیمان ہونے پر افسوس ہے۔ یہ شعر سہلِ ممتنع کی مثال اور اعلیٰ اعجاز ہے۔

حیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالبؔ  جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

عاشق کا گریبان ہمیشہ تار تار رہتا ہے اور شاعر نے اسی چار گرہ کپڑے کی قسمت پر افسوس ظاہر کیا ہے۔ شعر کی پشت پر غالب کے قید فرنگ کے بعد نئے کپڑے بدلنے کا واقعہ مذکور ہے۔

(١٨)

شب خمارِ شوقِ ساقی رستخیز اندازہ تھا  تا محیطِ بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا



خمارِ شوق = مستیِ اشتیاق + رستخیز اندازہ = قیامت کی طرح + محیط = یہاں خطِ جام سے مراد ہے +

رات کو ساقی کے جلوہ دیدار کا شوق قیامت زا تھا۔ اور خطِ جام بھی خمارِ شوق کی انگڑائی معلوم ہوتا تھا۔

یک قدم وحشت سے درسِ دفترِ امکاں کھلا  جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

یک قدم وحشت = صحرائے وحشت کا ایک قدم + امکان = عالم + جادہ = راہ +

عشق کی وحشت سے ایک قدم پر ہی عالمِ امکان کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ جادۂ عشق فنا اور بقا کے درمیان ایک رابطہ ہے۔

مانعِ وحشت خرامی ہائے لیلیٰ کون ہے  خانۂ مجنونِ صحرا گرد بے دروازہ تھا

وحشت خرامیہا = دیوانہ وار آمد و رفت + صحرا گرد = دشت نورد + خانہ بے دروازہ = صحرا +

معلوم لیلیٰ کے لئے کونسا امر مانع تھا۔ جو وہ مجنوں تک پہنچ نہ سکی۔ حالانکہ مجنوں کا گھر بے در جنگل تھا۔

پوچھ مت رسوائیِ اندازِ استغنائے حسن  دست مرہونِ حنا رخسار رہنِ غازہ تھا

رسوائی = بے حیائی + استغنا = بے نیازی + مرہونِ حنا = پابندِ حنا + رہنِ غازہ = وقفِ غازہ +

حسن کی بے نیازی کیا پوچھتے ہو۔ اس کا پُر غرور حسن عشاق سے بے پروائی کر رہا تھا۔ گو ہاتھوں پر مہندی اور رخساروں پہ غازہ لگا ہوا تھا۔

نالۂ دل نے دئے اوراقِ لختِ دل بباد  یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا

بباد دادن = اڑا دینا + دیوانِ بے شیرازہ = اوراقِ پریشان +

نالہ نے دل کے پرخچے اڑا ڈالے - اور یادگار دل کے بکھرے ہوئے ٹکڑے باقی رہ گئے ہیں۔

(۱۹)

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائینگے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا

سعی = امداد

دوست ہمدردی اور غمخواری سے کیا میری کچھ مداوت کریں گے - کیا زخموں کے مندمل ہونے تک پھر ناخن نہ بڑھ آئیں گے۔ اور پھر حصول لذت کے لئے خراشنے نہیں لگ جاؤں گا۔

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائینگے کیا

بے نیازی کا یہ عجیب عالم ہے کہ ہم حالِ دل کہتے ہیں اور آپ جان بوجھ کر انجان بن کر دریافت کرتے ہیں کہ یہ کیا ماجرا ہے۔

حضرتِ ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائینگے کیا

حضرت ناصح اگر آنا چاہتے ہیں تو بصد شوق آئیں - لیکن اُن کے آنے سے کیا ہوگا۔ میرا جنون تو اس درجہ سے آگے بڑھ چکا ہے۔

مجھے یہ تو بتاؤ کہ حضرت ناصح کیا سمجھائیں گے۔ میں کسی کی باتوں میں آنے والا نہیں ہوں۔ پھر اس کی نصیحت کیا اثر کرے گی۔

اگر ناصح میرے پاس آئیں تو دیدہ و دل فرشِ راہ کروں گا۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ مجھے کیا سمجھائیں گے۔

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائینگے کیا

سر پہ کفن باندھ کر محبوب کے کوچہ میں شوق شہادت کو لئے ہوئے جا رہا ہوں۔ دیکھئے کس انداز سے مجھے فنا کے گھاٹ اُتارنے سے معذرت پیش ہوتی ہے۔

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا

ناصح نے اگر ہمیں پابہ زنجیر کر دیا ہے تو اس سے کیا سروکار؟ بھلا اس طرح بھی جنونِ عشق کی عادت کے دور ہونے کا کوئی امکان ہے۔

خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں
ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائینگے کیا

ناصح نے ہم کو قید کر لیا ہے۔ تو بھی خیر۔ لیکن اس ظاہری قید سے جنونِ عشق کم نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی پابندِ وفا قید سے گھبراتے ہیں۔

ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفت اسدؔ
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائینگے کیا

دُنیا میں اُلفت کرنے والوں کا نام تک بھی نہیں رہا۔ ہم غمِ اُلفت کے عادی ہیں۔ اگر دلی میں رہے بھی تو پھر کس طرح گذر ہوگی؟



(۲۰)

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ہماری قسمت میں وصالِ یار کہاں؟ اگر زندہ بھی رہتے تو انتظار کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

ترے وعدہ پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

ہم اگر تیرے وعدہ پر زندہ رہے تو یہ سمجھو کہ غلط تھے۔ اگر تمہارے وعدہ پر اعتبار ہوتا تو کیا مارے خوشی کے جان قابو میں رہ سکتی تھی۔

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

تیری نزاکت نے پیمان وفا کی کمزوری کا ثبوت دیا۔ اگر تو ایسا نہ ہوتا۔ تو پختہ وعدہ کبھی ٹوٹ نہ سکتا۔

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

میرے دل سے کوئی تیرے نیم کش تیر کی خلش کو تو دریافت کرے یہ تیر اگر جگر

اہلِ ہوس کو عشق کی استقامت سے کیا واسطہ۔ اُن کا اظہارِ محبت تو تنکا جلنے سے پیدا ہونے والے شعلہ کی طرح لمحہ بھر کے لئے ہوتا ہے۔

نفس موجِ محیطِ بیخودی ہے — تغافل ہائے ساقی کا گلا کیا

نفس = سانس * محیط = بحرِ ذخار * بے خودی = بے خبری *

یہاں پہ بے خبری کا ایسا عالم طاری ہے کہ ایک سانس بھی بے خبری کے بحرِ ذخار سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا یعنی میری حیات جزوِ بیخودی ہے۔ پھر ساقی سے شکوہ شکایات کیسے کیا جائے۔

دماغِ عطرِ پیراہن نہیں ہے — غمِ آوارگیہائے صبا کیا

دماغ = خواہش * عطرِ پیرہن = خوشبوئے لباس *

خوشبوئے لباس سونگھنے کی طاقت نہیں۔ بادِ صبا کی بے رُخی کا غم کیسے کیا جائے

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر — ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

ساز = باجہ * انا البحر = میں دریا ہوں *

ہر قطرہ کی حقیقت انا البحر ہے اور ہم ذاتِ حق سے ہیں۔ ہماری حالت صاف طور پہ واضح ہے اس کے مفہوم کا لطف منصور کی اناالحق سرائی سے حاصل ہوتا ہے

محابا کیا ہے میں ضامن ادھر دیکھ — شہیدانِ نگہ کا خون بہا کیا

محابا = پس و پیش *

مجھ ضامن کے ہوتے ہُوئے کیوں پس و پیش کی جاتی ہے۔ کیا میں شہیدِ نگاہ ہو جاؤں کیونکہ قتلِ نگاہ کا خون بہا کچھ ہُوا ہی نہیں کرتا اور تلوار سے قتل کرنے پر خون بہا دیا جاتا ہے۔

سُن اے غارتگرِ جنسِ وفا سُن — شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا

غارت گرِ جنسِ وفا = بے مہر وفا * شکستِ قیمت = قیمت کم کرنا *



اے مہر و وفا کے دشمن! تیری ناقدر شناسی سے دل پاش پاش ہوگیا۔ اب تو ذرا فریاد سُن لے۔

کیا کس نے جگرداری کا دعویٰ — شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا

جگرداری = صبر و تحمل *

ہمیں صبر کا تو دعویٰ نہیں کیونکہ یہ عیاں ہے کہ عاشقانِ مضطر کی تسکینِ خاطر ممکن نہیں ہوتی۔

یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیوں — یہ کافر فتنۂ طاقت ربا کیا

آپ فضول وعدہ کرتے ہیں اس سے صبر کی بجائے اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ یہ وعدہ نہیں فتنہ ہے جس سے صبر کی طاقت زائل کی جاتی ہے۔

بلائے جان ہے غالبؔ اُسکی ہر بات — عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

غالب کا ادا، الفاظ اشارات زندگی کے لئے مصیبت سے کم نہیں ہے۔

(۲۲)

درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہمسا نہ ہُوا — پھر غلط کیا ہے کہ ہمسا کوئی پیدا نہ ہُوا

درخور = سزاوار *

کسی بھی قسم کی خصوصیت ہو تم اُس سے خاص لگاؤ رکھتے ہو اور یہی ہمارے بے مثل ہونے کا موجب ہے۔

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم — اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہُوا

ہم بندگی میں اتنے خوددار واقع ہُوئے ہیں کہ اگر کعبہ کا دروازہ کھلا نہ ہو تو واپس لوٹ آئیں۔

سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا — روبرو کوئی بتِ آئینہ سیما نہ ہُوا

دُنیا بھر کے حسینوں کو تیرے بے مثل حسین ہونے کا اعتراف ہے اور

کوئی خوبرو تیرا مقابل نہیں ہوسکتا۔

**کم نہیں نازشِ ہمنامیٔ چشمِ خوباں　　تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا**

اگر تیرا بیمار اچھا نہ ہو تو اس میں کونسی برائی ہے کیونکہ حسینوں کی متوالی ادا کے لئے یہ فخر کچھ کم نہیں ہے۔

**سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا　　خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا**

پانی کا قطرہ دریا میں ملنے سے دریا اور مٹی پر گرنے سے ضائع ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جو نالے کھینچے نہیں جاسکتے وہ دل پر داغ بننے کے علاوہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

**نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا　　کام میں میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا**

جو دکھ میری قسمت میں لکھا ہے وہ اور کسی کو نہیں۔ اور جو فتنہ میرے واسطے تھا اسی نے مجھے آزاد کردیا۔

**ہر بنِ مو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خونِ ناب　　حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا**

عشق کی کہانی ایسی نہیں جو اپنے المناک واقعات سے رُلا نہ دے۔ یہ درد ناک افسانہ ہے داستان امیر حمزہ کی مانند نہیں ہے۔

**قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل　　کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا**

دیدۂ بینا = نگاہ نکتہ رس۔

اگر انسان نگاہ نکتہ رس رکھتا ہو۔ تو ممکن نہیں کہ اپنی حقیقت اور وجود ہستی مطلق ہونے کا اُسے علم نہ ہو۔

**تھی خبر گرم کہ غالب کے اُڑیں گے پرزے　　دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا**

عاشق کی دھجیاں اُڑنے کی خبر گرم تھی اسی لئے ہم تماشہ دیکھنے چلے گئے۔ مگر افسوس کھیل ہی نہ دکھایا گیا۔



**اسدؔ ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سر و پا ہیں　　کہ ہے سرپنجۂ مژگانِ آہو پشت خار اپنا**

جنوں جولاں = دیوانہ وار دوڑنے والے۔ سرپنجۂ مژگاں = بے سر و پا سے مناسبت ہے۔

ہم گدا اگرچہ عشق و محبت بلا قیام دیوانہ وار دوڑے جارہے ہیں۔ ہرن کی نگاہ بھی ہماری رفتار تک نہیں پہنچ سکتی ایسے تیز رو جانور کی نگاہوں کی رفتار ہمارے یک لمحہ قیام کے برابر ہے۔

(۲۳)

**بہ نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا　　بخوں غلطیدۂ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا**

بہ نذرِ کرم = رحمت الٰہی کی نذر۔ صد رنگ = سینکڑوں طرح۔ بخوں غلطیدہ = خون شدہ۔

بارگاہِ باری میں پرہیزگاری کے دعویٰ کو شرمندگی سے لے کر جاتا ہوں جس کا سینکڑوں طرح سے خون ہوچکا ہے۔

**نہ ہو حُسنِ تماشا دوست رسوا بیوفائی کا　　بہ مہرِ صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا**

خود نما حُسنِ محبوب بیوفائی میں رسوا کیوں ہو جب اس کی آشنائی کا یہ عالم ہے کہ جو بھی اس طرف متوجہ ہوتا ہے دعویٰ پارسائی پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

**زکوٰۃِ حُسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا　　چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا**

جلوۂ بینش = مرکز عقل و فکر۔ کاسہ = استعدادِ دل۔

اے اہل بصیرت! اگر اپنے نورِ جمال کا جلوہ دل کو زکاتِ حسن دکھا دے۔ تو یہ نابینا دل انسانی ہستی کے گھر کو روشن کردے۔

**نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر　　رہا مانندِ خونِ بے گنہ حق آشنائی کا**

انجانے سے قتل نہ کیا اس لئے بے گناہ کے خون کی طرح حق دوستی تیری

گردن پہ باقی رہ گیا۔

تمنائے زباں محوِ سپاسِ بے زبانی ہے ۔۔۔ مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

سپاس = تعریف ۔ بے دست و پائی = مجبوری ۔

بے زبانی کے سبب مجبوراً شکایت کا احساس نہیں رہا۔ اس لئے تمنائے گفتگو بے زبانی کی تعریف کر رہی ہے۔

وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہتِ گل ہے ۔۔۔ چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

ہوا کی لطافت پھولوں سے روح کی مسرت جلوۂ گل سے اور چمن کی رونق شوقِ بیان سے ہے لیکن ہے ایک ہی حقیقت کا پرتو۔

دہاں ہر بُت بپیغارہ جوئی زنجیرِ رسوائی ۔۔۔ عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری بے وفائی کا

بپیغارہ جوئی = طعنہ زنی ۔

اے بے مہر! تیری جفاکاریوں کا چرچا دونوں جہان تک ہے یہی وجہ ہے کہ حسینوں کے طعنوں نے حلقۂ دہن سے ایک زنجیر بنا ڈالی ہے جس کا عدم تک سلسلہ چلا جاتا ہے۔

نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے ۔۔۔ کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

غالب! میں جدائی کی حسرت خیز تمنا کا ستم شعار ہوں۔ اس لئے اپنے بیان کو مختصر کر دو۔

(۲۴)

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا ۔۔۔ بے تکلف داغِ مہ مُہرِ دہاں ہو جائیگا

اگر شبِ ہجر کا سوز و غم بیان نہ ہو سکے تو یہ سمجھئے کہ چاند کا داغ ہے جو مُنہ پہ مُہرِ خاموشی کی صورت میں آشکارہ ہو گیا ہے۔

زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب ۔۔۔ پرتوِ مہتاب سیلِ خانماں ہو جائیگا



زہرہ آب ہونا = پتا پانی پانی ہونا ۔

شامِ ہجر اگر اتنی دہشت انگیز ہے۔ جس سے زہرہ کا پتا پانی پانی ہو جاتا ہے۔ تو چاندنی بھی مہتاب کا عکس ہونے کی وجہ سے خانمانِ عشق کے لئے طوفانِ سیلاب نمایاں کرنے میں کم نہیں ہوگی۔

لے تو لوں سوتے میں اُس کے پاؤں کا بوسہ مگر ۔۔۔ ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا

نیند میں ہی محبوب کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔ بیداری میں نہ سہی۔ مگر سوچتا ہوں۔ کہ وہ از حد سریع الحس ہے کہیں بدگماں نہ ہو جائے۔

دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا ۔۔۔ یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائیگا

دل کو تو ہم عشق و محبت کے لئے کافی سمجھتے تھے لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ ایک ہی بار کے امتحان سے اپنا آپ جاتا رہے گا۔

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا ۔۔۔ مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا

سارے زمانے کے دل میں تیری محبت ہے۔ اگر تو راضی ہو جائے تو ساری دُنیا مہرباں ہو جائے گی۔

گر نگاہِ گرم فرماتی رہی تسلیمِ ضبط ۔۔۔ شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائیگا

نگاہِ گرم = غصہ کی نگاہ ۔

اگر نظرِ عتاب ضبط کرتی اور خوننابہ فشانی نہ ہونے دیتی۔ تو آنکھوں میں بہنے والا خون ایسے پنہاں ہو جاتا جس طرح تنکے میں شعلہ مضمر ہوتا ہے۔

باغ میں مجھ کو نہ لیجا ورنہ میرے حال پر ۔۔۔ ہر گلِ تر ایک چشمِ خوں فشاں ہو جائیگا

مجھے باغ میں نہ لے جاؤ نہیں تو وہاں ہر ایک گل چشمِ تر سے خونفشانی پہ آمادہ ہو جائے گا۔

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو ۔۔۔ اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائیگا

اب تک تو یہ خیال تھا کہ ہمارا انصاف قیامت کو ہو جائے گا۔ قیامت تو بپا ہو گئی مگر پھر بھی نہ ہُوا افسوس!

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسدؔ دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

اسدؔ! تو بھی دانا ہے۔ سوچ تو سہی۔ نادان کی دوستی میں جی کے زیاں کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔

(۲۵)

دردِ منت کشِ دوا نہ ہُوا میں نہ اچھا ہُوا بُرا نہ ہُوا

دردِ عشق دوا کا احسانمند نہیں۔ اچھا ہُوا جو دوا کا احسان نہ اٹھایا۔

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو اک تماشا ہُوا گلا نہ ہُوا

میرے افیار کو شکوہ شکایت کے لئے کیوں بلاتے ہو۔ تماشا تھوڑے ہے جو سب کے سامنے گلا کیا جائے۔

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں تو ہی جب خنجر آزما نہ ہُوا

جب تمہارے جیسا خنجر آزما بھی ہمارا امتحان نہیں لیتا تو ہم کہاں قسمت آزمائی کو جائیں۔

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہُوا

تیرے لب کتنے شیریں ہیں گالیوں کے باوجود بھی رقیب افسردہ خاطر نہیں ہوتا۔

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی آج ہی گھر میں بوریا نہ ہُوا

بے سرو سامانی کا یہ عالم کہ آج محبوب کی آمد ہے اور ہمارے گھر میں بچھانے کے لئے بوریا تک نہیں ہے۔

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی بندگی میں مرا بھلا نہ ہُوا



کیا محبوب کا غرور نمرود کی خدائی تھی۔ جو فرمانبرداری کے باوجود بھی اس کی بارگاہ معلی سے فیض یاب نہ ہو سکا۔

جان دی دی ہُوئی اُسی کی تھی حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

اگر راہ حق میں جان بھی دے ڈالی تو بھی حق ادا نہیں ہُوا۔ کیونکہ جان تو اُسی کی امانت تھی جو واپس کر دی۔ یہ کوئی ذاتی ایثار نہیں ہو سکتا۔

زخم گر دب گیا لہو نہ تھما کام گر رُک گیا روا نہ ہُوا

زخم کے دبنے سے جیسے خون بہنے لگ جاتا ہے اُسی طرح کام کے رُک جانے سے حاجت روائی نہیں ہوتی۔

رہزنی ہے کہ دلستانی ہے لے کے دل دلستاں روانہ ہُوا

محبت بھی کیا کوئی رہزنی کا پیشہ ہے جو چپکے سے دل لے کر چل دئے۔

کچھ تو پڑھیئے کہ لوگ کہتے ہیں آج غالبؔ غزل سرا نہ ہُوا

غالبؔ نے آج غزل نہیں سنائی۔ اچھا تم ہی کچھ سنا دو۔ تاکہ لوگوں کا تقاضا باقی نہ رہے۔

(۲۶)

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیٔ جا کا گہر میں محو ہُوا اضطراب دریا کا

اضطراب دریا = موج دریا۔

موتی میں پانی کا اضطراب نہیں رہتا کیونکہ وُہ پانی کی منجمد صورت ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے دل میں تلاطم شوق کا باقی رہنا محال ہے۔

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

پاسخ مکتوب = جواب خط۔ ذوق خامہ فرسا = تحریر پر مجبور کرنیوالا۔

یہ تو جانتا ہوں کہ تو خط کا جواب نہیں دے گا۔ مگر میں ذوق تحریر کی وجہ

سے بلا وجہ خط لکھتا رہتا ہوں۔

**حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی — دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیش دُنیا کا**

گویا یہی بہار ہے جو دوامی طور سے خزاں پر حنائی رنگ چڑھا رہی ہے۔ اور دنیاوی عیش کو بھی کلفت خاطر کے لئے نمایاں کر دیتی ہے۔

**غم فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو — مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا**

دماغ = تاب نہیں ۔ خندہ ہائے بیجا = بیجا ہنسی ۔

غم فراق میں سیر گل کی طاقت نہیں۔ اور نہ ہی بیجا ہنسی کی تاب ہے۔

**ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں — کرے ہے ہر بُنِ مو کام چشمِ بینا کا**

محرمی = واقفیت ۔ ہر بن مو کا چشم بینا ہونا = ہمہ تن اشتیاق بن جانا۔

باوجودیکہ میں ہمہ تن شوق ہوں۔ لیکن ہنوز حسن کی قربت میسر نہیں ہوئی۔

**دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے — ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا**

ہم نے پہلے ہی ناز و ادا پہ دل دے دیا۔ کیونکہ حسن کے تقاضوں کی تاب نہیں رکھتے تھے۔

**نہ کہہ کہ گریہ بمقدارِ حسرتِ دل ہے — مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا**

حسرت کا تقاضا تو دریا بار گریہ کا مقتضی ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ گریہ سے دل کی حسرت پوری ہوتی ہے۔

**فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اُس کو یاد اسدؔ — جفا میں اُس کی ہے اندازِ کارفرما کا**

فلک کو دیکھ کر محبوب یاد آجاتا ہے۔ کیونکہ اس کی جفاکاری بھی معشوقِ ستم پیشہ کی طرح ہے۔

(۲۷)

**قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا — خطِ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا**

شراب کا قطرہ حیرت سے ٹپکنا بھول گیا۔ اور برابر برابر بوندوں کے رُک جانے سے پیالہ کا خط اُس تاگے کی مانند ہو گیا جس میں موتی پروئے ہوں۔

**اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا — غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا**

عاشق کو اپنی خانہ خرابی پر یقین ہے۔ اگر اتفاقاً غیر نے افسوس کر دیا تو وہ مجھ پہ خفا ہو گیا۔

(۲۸)

**جب بہ تقریبِ سفر یار نے محمل باندھا — تپشِ شوق نے ہر ذرہ پہ اِک دل باندھا**

میرے محبوب نے جب سفر کی تیاری کی تو پرتوِ حسن سے ہر ذرہ جگمگا اُٹھا اور جمالِ یار کی وجہ سے تمام ذرے دلستان بن گئے۔

**اہلِ بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخیِ ناز — جوہرِ آئینہ کو طوطیِ بسمل باندھا**

اہلِ بینش = اہلِ نظر ۔ حیرت کدہ = مقامِ حیرت ۔

اہل نظر عالم حیرت میں شوخی و ناز کو طوطیِ بسمل شمار کرتے ہیں۔ اور آئینہ بھی اُس کے جلوہ سے دم توڑ رہا ہے۔

**یاس و اُمید نے یک عربدہ میداں مانگا — عجزِ ہمت نے طلسمِ دلِ سائل باندھا**

اگر ہمت عاجز نہ ہو تو فیصلہ کن عزم سے اوہام باقی نہیں رہ سکتے اسی لئے پست ہمتی نے طالب کے دل میں ایک خیالی جنگ بپا کر رکھی ہے۔

**نہ بندھے تشنگیِ ذوق کے مضموں غالبؔ — گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا**

عشق کے مضمون لکھنے کی کوشش کی تھی لیکن جوشِ جذبات کے بالمقابل الفاظ و بیان نے مساعدت نہ بخشی۔

(۲۹)

**میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں — گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا**

یہ قسمت کا کرشمہ ہے کہ میں بزم سے بے نیل و مرام واپس آجاؤں اگر میں نے توبہ کر دی تھی تو ساقی کا حوصلہ کیوں پست ہو گیا جو اس نے پلانے سے اجتناب کیا۔

ہے اک تیر جس میں دونوں چھدے پڑے ہیں وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

اب تو دل و جگر تیر مژگاں کے زخمی ہیں۔ کوئی دن تھے۔ جب دونوں مختلف الکیفیت تھے۔

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

مصیبت میں اگر کچھ ہو سکے تو بہتر ہے جب کوئی مشکل نہ تھی تو تدبیریں سوجھتی تھیں مگر اب تو ہم اس سے بھی گئے گذرے ہو گئے۔

(۳۰)

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

دریا کی جگہ اگر دریا نہ ہوتا تو ویرانی ہوتی اُسی طرح اگر میری قسمت میں رونا نہ ہوتا تو کوئی آفت گھر پر ضرور نازل ہو جاتی۔

تنگیٔ دل کا گلا کیا یہ وہ کافر دل ہے کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

اس کافر دل کی قسمت میں ہر حالت میں ملال لکھا تھا۔ اگر دل تنگ نہ ہوتا تو پریشان ضرور ہوتا۔

بعد یک عمر ورع بار تو دیتا بارے کاش رضواں ہی در یار کا درباں ہوتا

ورع = عبادت گذاری ÷ رضواں = دربان جنت ÷

کاش رضوان ہی آستانہ یار کا دربان ہوتا۔ جو ایک عمر کی عبادت گذاری کے بعد تیری بزم تک پہنچنے تو دیتا۔

(۳۱)



نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

جب یہ عالم کثرت و تعین نہ تھے تو ذات باری تھی۔ اسی طرح اگر یہ مظاہر نہ ہوتے تو محض ذات حق ہوتی۔ افسوس مجھے میرے وجود نے مبداء فیاض سے الگ کر دیا۔ نہیں تو میں عین ذات ہوتا۔

ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

صدمۂ غم کا اتنا بار پڑا کہ غم کا بھی احساس نہ رہا پھر ایسے سر کے کٹنے کا کیا فکر اگر تن سے جدا نہ ہوتا تو زانو پر دھرا رہتا۔

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے وہ ہر اک بات پہ کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

مدت گذری غالب مر گیا۔ مگر اس کی باتیں یاد آتی ہیں۔ جو ہر بات پہ ارمان تمنا سے کہتا تھا کہ یوں نہ ہوتا تو کیسا لطف آتا۔

(۳۲)

یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالہ کے داغ کا

فتیلہ = بتی ÷ داغ = چراغ ÷ جادہ = خط راہ ÷

موسم بہار میں زمین چمن کی ہر چیز خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ اور خط راہ ایک ڈنڈیاں بھی چراغ کی بتیوں کی طرح پھولوں سے خالی نہیں رہتے۔

بے مے کسے ہے طاقت آشوب آگہی کھینچا ہے عجز حوصلہ نے خط ایاغ کا

عجز حوصلہ = کمزوری ہمت ÷ خط کھینچنا = کاٹ دینا ÷ ایاغ = جام شراب ÷

شراب کے بغیر مجھے عقل و ہوش کے مصائب کو برداشت کرنے کی ہمت نہیں اسی لئے ہماری عاجزی نے فسادات عقل پر شراب کی لکیر کھینچ دی ہے تاکہ بادہ کشی کرتا جاؤں۔

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل — کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

پھولوں کی شگفتگی بلبل کم ظرف کی عشقیہ حرکات کی وجہ سے ہے اور یہ عشق کا ہی معجزہ ہے کہ اپنے تمسخر کے لئے وہ غنچوں کو پھول بنا دیتی ہے۔

تازہ نہیں ہے نشۂ فکرِ سخن مجھے — تریاکیِ قدیم ہوں دودِ چراغ کا

تریاک = جل • دُود = دھواں •

میری مشقِ سخن تازہ نہیں بلکہ کافی عرصے سے ہے۔

سو بار بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے — پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

سینکڑوں دفعہ عشق کی اسیری سے رہائی پائی۔ مگر دل کی اُفتاد ہی کچھ ایسی ہے کہ یہ آزادی میں اور زیادہ مبتلائے عشق کرتی جا رہی ہے۔

بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ نگہ غبار — یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

جس طرح خراب کی تلاش میں خالی میکدہ سے غبار اُٹھتا ہے۔ اُسی طرح دل کے خونفشاں کرنے کے بغیر میری آنکھوں میں غبار آیا رہتا ہے۔

باغِ شگفتہ تیرا بساطِ نشاطِ دل — ابرِ بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

باغ کی شگفتگی یا بہار تیری مسرت کی وجہ سے ہے۔ ورنہ بہار کی گھٹائیں کسی غیر کے دماغ کو معطر کرنے کے لئے نہیں اُٹھیں۔

(۳۳)

وہ مری چینِ جبیں سے غمِ پنہاں سمجھا — رازِ مکتوب بہ بے ربطیِ عنوان سمجھا

بے ربطی = ابتری •

اُس نے میری چینِ جبیں سے دل کی پریشانی کی کیفیت کا پورا پورا اندازہ لگا لیا۔

یک الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز — چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

جب سے دنیا کی حقیقت کا پتہ چلا۔ ترکِ علائق میں مشغول ہوں۔ مگر صفائی باطن کے لحاظ سے ہنوز روزِ اول ہے۔

شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ — اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

علائقِ خاطر کی تفصیل کیا پوچھتے ہو۔ میرا دل اس قدر تنگ ہو گیا۔ کہ اس کی تنگی کو قید خانہ کی تنگی سمجھ رہا ہوں۔

بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرمِ خرام — رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیراں سمجھا

سرگرمِ خرام = مصروفِ آمد و رفت •

بدگمانی کی وجہ سے یہ نہ چاہا کہ وہ آنے جانے میں مشغول رہیں۔ اسی وجہ سے اُن کے چہرہ کے پسینہ کا ہر قطرہ عرق چشمِ غیر معلوم ہوتا ہے (کمال نزاکت تو دیکھئے) اور شرم سے انہیں پسینہ آ گیا ہے۔

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا — نبضِ خس سے تپشِ شعلۂ سوزاں سمجھا

یہ میری کمزوری تصور تھی جس نے سمجھا کہ وہ آتش مزاج ہوگا بلکہ اُس کی شعلہ خوئی نے تو میرے خیال کے کمزور تنکوں سے آگ پیدا کر ڈالی۔

سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی — ہر قدم سایہ کو میں اپنے شبستاں سمجھا

سفرِ عشق میں ناتوانی نے مجھے ایسا راحت طلب کر ڈالا کہ ہر قدم پر اپنے سایہ کو آرام گاہ سمجھ رہا ہوں۔

تھا گریزاں مژۂ یار سے دل تا دمِ مرگ — دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا

مرتے دم تک یار کی مژگان کے وار سے گریزاں رہا۔ اور تیرِ قضا سے بچنا آسان خیال کیا (لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اور ہلاک ہو گیا)

دل دیا جان کے کیوں اُس کو وفادار اسدؔ — غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

بیوفا کو وفادار سمجھ کر دل دیا۔ مگر سخت غلطی کی وہ کافر وفادار نہیں تھا۔

(۳۴)

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا  دل جگر تشنۂ فریاد آیا

دل و جگر کی تشنگیٔ فریاد نے پھر مجھے چشم اشک بار کی یاد دلا دی۔

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز  پھر ترا وقت سفر یاد آیا

تیری جدائی کی خلش کم نہ ہونے پائی تھی کہ پھر جدائی کی یاد نے قیامت بپا کر ڈالی۔

سادگیہائے تمنا یعنی  پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا

تمنا کی سادہ کاری تو دیکھئے۔ کہ پھر وہی محبوب پرفن یاد آرہا ہے۔

عذر درماندگی اے حسرت دل  نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا

حسرت دل کی بے بسی سے معذور ہوں۔ نالہ و فریاد کرتے کرتے جگر کے شق ہونے کی یاد آجاتی ہے۔

زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی  کیوں ترا راہگذر یاد آیا

زندگی کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جاتی۔ تیرے راہ گذر کی یاد کیوں آگئی؟

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی  گھر ترا خلد میں گر یاد آیا

اگر جنت میں تیرا گھر یاد آگیا تو رضوان سے برسر پیکار ہو کر تیرے گھر کی راہ لے لوں گا۔

آہ وہ جرأت فریاد کہاں  دل سے تنگ آکے جگر یاد آیا

فریاد کی طاقت کہاں؟ جو وہ پہلے تھی اب تو دل سے مایوس ہو کر جگر کی یاد میں محو ہوں۔ افسوس!

پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال  دل گم گشتہ مگر یاد آیا

شاید دل گم گشتہ کی یاد کی وجہ سے ہے۔ تیرے کوچہ کا پھر خیال آرہا ہے۔



کوئی ویرانی سی ویرانی ہے  دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

جنگل کی ویرانی دیکھ کر گھر کی ویرانی یاد آگئی۔

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ  سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

بچپن میں مجنوں پہ پتھر مارنے کے لئے جرأت کی تھی اور اب اپنی یاد آگئی ہے میرا بھی کہیں ایسا ہی حشر نہ ہو۔ جیسا مجنوں کا ہو گذرا ہے۔

(۳۵)

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا  آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

آپ کے آنے میں جو دیر ہوئی اُس کا کوئی سبب ہوگا تم آنا چاہتے تھے شاید کوئی راستہ روکنے والا ہوگا جس کی وجہ سے دیر ہوئی۔

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ  اُس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

اپنی تباہی کا آپ سے کوئی گلہ نہیں کیونکہ میری تباہی بدقسمتی کی وجہ سے تھی۔

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا بتلا دوں  کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

شاید تم مجھے بھول گئے کسی زمانہ میں تیرے شکار بند میں کوئی شکار تھا تو وہ میں ہی تھا۔ یاد تو کیجئے۔

قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد  ہاں کچھ اک رنج گرانباریٔ زنجیر بھی تھا

قید میں بھی تیرے دیوانہ کو تیری زلف گرہ گیر کی یاد آتی ہے۔ مگر زنجیر کی گرانباری صرف اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ کہاں وہ مشکبو زلف اور کہاں وزن آہنی۔

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا  بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

تم بجلی کی طرح نگاہ کے سامنے آتے ہی روپوش ہو جاتے ہو اس سے

تسکین قلب کہاں۔ ذرا ٹھہرتے تو بات ہی کر لیتے۔ کیونکہ میں گفتگو کا طالب تھا۔

یوسف اُسکو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی  گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا

یوسف علیہ السلام سے اس کے حسن مطلق کی تمثیل توہین ہے اور میں غلط تشبیہ کی وجہ سے سزا کے لائق ہوں۔

دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا  نالہ کرتا تھا ولے طالب تاثیر بھی تھا

غیر کو نالہ و فریاد کرتے ہوئے دیکھ کر کوئی اثر نہ ہُوا۔ میرا تصور تو اس کی حالت غیر کا متمنی تھا۔ پھر اس کو ٹھنڈک کیوں نہ ملتی؟

پیشہ میں عیب نہیں رکھیے نہ فرہاد کو نام  ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جوان میر بھی تھا

پیشہ میں عیب ہی کیا ہے؟ اور فرہاد کی نسبت شُبہ کیوں کیا جاتا ہے وہ بھی عشاق کے گروہ سے تھا۔

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی  آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

ہم طالب دیدار نہیں بلکہ اُس کے ہاتھوں موت کے متمنی تھے۔ کیا اس کے ترکش میں کوئی تیر نہیں رہا تھا۔ جس سے ہمارا شکار کر لیتا۔ اور آ ہی جاتا۔

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق  آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

عذاب و عتاب کا مدار کراماً کاتبین کے لکھنے پر ہی کیوں؟ کیا اس وقت ہمارے آدمی کا موجود ہونا ضروری نہیں تاکہ اُن کی مطلق العنانی سے ہم گرفتار نہ ہو جائیں۔

ریختے کے تمہیں اُستاد نہیں ہو غالب  کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

غالب! تو ہی ریختہ گوئی میں اُستاد نہیں ہے سُنا ہے کہ عہد گذشتہ میں میر تقی میر بھی ہو گذرے ہیں۔





لب خشک در تشنگی مُردگان کا  زیارت کدہ ہوں دل آزردگان کا

میں اُن ستم زدہ دلوں کا زیارت کدہ ہوں۔ جو شدت پیاس سے جان قربان کر گئے۔

ہمہ نا اُمیدی ہمہ بدگمانی  میں دل ہوں فریب وفا خوردگان کا

میں نا اُمیدی اور بدگمانی کی تصویر ہوں اور اس دل کی طرح جو فریب وفا کھا چکا ہو۔

(۳۷)

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہُوا تھا  اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پہ نہ ہُوا تھا

اے چرخ بے پیر! تو کسی کا بھی دوست نہیں۔ اور کوئی ظلم تو نے اُٹھا نہیں رکھا جو مجھ پہ نہ کیا ہو۔

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے  خورشید ہنوز اُس کے برابر نہ ہُوا تھا

موت کے ہاتھوں نے محبوب کو نخشب کا چاند بنا دیا۔ اور وہ اتنا پُرکشش ہو گیا کہ خورشید بھی اس کی برابری نہ کر سکا۔

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے  آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہُوا تھا

اگر ازل سے ہی ہمارے مقسوم میں اشک ریزی نہ لکھی ہوتی تو میرے آنسو اس طرح برباد نہ ہوتے شاید موتی بن جاتے۔

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم  میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہُوا تھا

محبوب کے قد و قامت کو فتنۂ قیامت سے بتلا کر کمال شاعری پیش نظر کیا ہے۔

میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں  یعنی سبق شوق مکرر نہ ہُوا تھا

اتنا سادہ مزاج ہوں کہ دوست کی آزردگی سے بشاش ہو کر جاتا ہوں

کہ درسِ عشق کی تکرار نہ ہو۔ باوجود اس کے کہ عشق کا سبق از حد لذت خیز ہے۔

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک — میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

میرے تھوڑے سے رونے سے گناہوں کا دریا خشک ہو گیا اور دامن کا ایک کونہ بھی گیلا نہ ہوا یعنی اتنا کم رو دیا ہوں۔

جاری تھی اسدؔ داغِ جگر سے مری تحصیل — آتشکدہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا

داغِ جگر ابھی اتنا نہیں بڑھا ہے جو سمندر کے جگر پر حاوی ہو جاتا اس میں ابھی کچھ کچھ خون تھا جو میری آنکھوں سے رونے پر نکلتا تھا۔ سمندر اُس کیڑے کو کہتے ہیں جو آگ میں پیدا ہوتا ہے۔

(۳۸)

شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوتِ ناموس تھا — رشتۂ ہر شمع خارِ کسوتِ فانوس تھا

مجلس فروز = انجمن آرا۔ کسوت = پیرہن جامہ۔ خار کسوت = بے چینی۔

رات کو اُس کے انجمن آرا ہونے کی وجہ سے شمع حسد میں جلتی تھی۔ اور اس کے حسن و جمال کے سامنے شمع کی روشنی ماند پڑ رہی تھی۔

مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو اُگتی ہے حنا — کس قدر یا رب ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا

جس طرح شاعر عاشق کے مزار پر نرگس کے پھول کھلا کر حسرت و انتظار بیان کرتے ہیں۔ اُسی طرح یہاں مہندی کی حالت بتلائی گئی ہے۔

حاصلِ الفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو — دل بہ دل پیوستہ گویا یک لبِ افسوس تھا

محبت کا انجام تمناؤں کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں یعنی وہ دونوں کا ملنا یا پیوستگی لب جو افسوس کے مشابہ ہے۔

کیا کہوں بیماریِ غم کی فراغت کا بیاں — جو کہ کھایا خونِ دل بے منتِ کیموس تھا



نرکی نے کے ذکر کو آسانی سے کیسے بیان کروں۔ جہاں خون ہی کھانا پڑتا ہے۔ جس کیلئے عمل کیموس کی احتیاج نہیں ہوئی اور وہ اندر ہی اندر خشک ہو کر غذا بنتا جاتا ہے۔

(۳۹)

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے — صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

محبوب کا یہ دعویٰ کہ میرا دل کوئی نہیں لے سکتا۔ جب آئینہ دیکھا تو ہوش اُڑ گئے اور اپنے آپ پر ہی فریفتہ ہو گئے۔

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے — اُس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

نہ کسی کو اپنے ہاتھ سے کیوں قتل کریں۔ اُن کے ہاتھوں قتل کے مستحق تھے تو صرف ہم ہی تھے۔

(۴۰)

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا — جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

جب عشق کی زبان گنگ ہوتی ہے اور دل پہلے ہی گم تو پھر ناز و نیاز کیسا؟

جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے — ہوں شمعِ کشتہ درخورِ محفل نہیں رہا

میں وہ بجھی ہوئی شمع ہوں جو محفل میں رہنے کے قابل نہیں۔ ناکارہ ہو رہا ہوں۔ زندگی کی طلب لئے جاتا ہوں یعنی مرتا ہوں۔

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں — شایانِ دستِ خنجرِ قاتل نہیں رہا

اے دل مرنے کے لئے کوئی اور تدبیر سوچ۔ میں تو پہلے ہی نیم مردہ ہوں۔ محبوب سے قتل کے لائق تو وہ ہو سکتا ہے جس پر محض محبوب کا ہی وار چلا ہو۔

بر روئے شش جہت درِ آئینہ باز ہے — یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا

شش جہت = دنیا۔ آئینہ = پرتوِ فیضانِ غیب۔

سارا عالم متحیر ہے اور حقیقت سے ناواقف یا پرتو فیضان غیب سے کوئی محروم نہیں قدرت کے سب مستفیض ہوتے ہیں۔

وا کر دیئے ہیں شوق نے بند نقاب حسن — غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

عشق نے حسن کی نقاب کے بند کھول دئے اور کوئی حجاب باقی نہیں رہا۔ اگر کوئی ہے تو نگاہ کے سوا اس کے درمیان کوئی شے حائل نہیں ہے۔

گو میں رہا رہین ستمہائے روزگار — لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

گو میں مصائب زمانہ سے پامال ہوتا رہا لیکن تیری یاد ہر لمحہ رہی۔

دل سے ہوائے کشت وفا مٹ گئی کہ واں — حاصل سوائے حسرت حاصل نہیں رہا

اب دل میں وفاداری کا جذبہ باقی نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ آرزو کے پورا ہونے کی خواہش کی جائے اور کچھ نہیں۔

بیداد عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد — جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

میں مصائب عشق سے نہیں ڈرتا۔ لیکن وہ دل نہیں جس پہ مجھے ناز تھا۔ تاکہ سب کچھ برداشت کر لیتا۔

(۴۱)

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف — عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

وہ بھلا کسی کا آشنا ہو سکتا ہے۔ عقل ٹھیک کہتی ہے مگر رشک کی وجہ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس کی غیر سے مراسم محبت ہے۔

ذرہ ذرہ ساغر میخانۂ نیرنگ ہے — گردش مجنوں بچشمکہائے لیلا آشنا

میخانۂ نیرنگ = نظام سیارگان ۔

جس طرح مجنوں کی وحشت خرامی لیلےٰ کے اشارہ ابرو پر منحصر تھی۔ اسی طرح کائنات کا ایک ایک ذرہ اس میخانۂ نیرنگ کا ساغر ہے۔ جو ہر وقت گردش



میں رہتا ہے۔

شوق ہے ساماں طراز نازش ارباب عجز — ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

شوق = جوش طلب ۔ ساماں طراز = سبب ۔ دریا = سمندر پابند کنا،

انسانیت کا شرف ولولہ عرفان ہے اسی لئے اس میں حقیقی موج نمود ابھرتی ہے۔ جو قطرہ کو دریا اور ذرہ کو صحرا بنا دیتی ہے۔

شکوہ سنج رشک ہمدیگر نہ رہنا چاہئے — میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا

رشک سے شکوہ نہیں کرتا اگر تیرا آشنا آئینہ ہے تو میرا رفیق زانو ہی سہی۔ شعرا زانو کا آئینہ سے استعارہ کرتے ہیں۔

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی کہ ہے — عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

میں آرام طلب اور عزت کا بھوکا ہوں۔ اور دل کی یہ کیفیت کہ آرام کا دشمن اور آوارگی کا متوالا ہے۔

کوہکن نقاش یک تمثال شیریں تھا اسد — سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

فرہاد شیریں کی تصویر بنانے والا سنگ تراش تھا۔ مگر پتھر سے سر پھوڑنے پر تم فرہاد کا مرتبہ عشق حاصل نہیں کر سکتے۔

(۴۲)

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا — بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

محبوب کا ذکر اور پھر ہماری رنگین بیانی۔ نتیجہ یہ کہ سننے والا بھی عاشق ہو گیا اور رقیب بن گیا۔

مے وہ کیوں بہت پیتے بزم غیر میں یا رب — آج ہی ہوا منظور ان کو امتحاں اپنا

بھلا وہ غیر کی مجلس میں زیادہ شراب پی کر مست کیوں ہوئے یہ میری بدقسمتی ہے کہ انہیں بزم اغیار میں ظرف کی آزمائش مدنظر تھی۔

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے     عرش سے اُدھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا

اگر ہمارا مکان عرش سے دور بلندی پر ہوتا تو وہاں کوئی اور مقام نظارہ کے لئے بنا لیتے مگر اپنا مقام تو بلندی کا منتہا ہے۔ اور بست تازہ دم۔

دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالینگے     بارے آشنا نکلا اُن کا پاسباں اپنا

ہم نے پاسباں کی تمام ذلتوں کو گوارا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن وُہ واقفکار نکلا اور ذلت کی نوبت ہی نہ آئی۔

درد دل لکھوں کب تک جاؤں اُنکو دکھلاؤں     اُنگلیاں فگار اپنی خامہ خوں چکاں اپنا

درد دل لکھتے لکھتے انگلیاں فگار کر چکا ہوں۔ بہتر ہے کہ اب جا کر انہیں اپنی حالت دکھلاؤں کہ حضور کا حال لکھتے ہوئے یہاں تک نوبت آئی ہے اب تو آخر خیر ہو۔

گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا     ننگ سجدہ سے میرے سنگ آستاں اپنا

سنگ در بار کا پتھر کیوں تبدیل کر دیا وہ میرے سجدہ کی ذلت سے خود بخود گھس کر درست ہو جاتا۔

تا کرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو     دوست کی شکایت میں ہم نے ہمزباں اپنا

ہم نے رقیب کو اپنا ہمزبان بنا لیا ہے تاکہ وہ جا کر چغلیاں نہ کھائے۔

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے     بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

آسمان ہنر و کمال کا دشمن ہے ہم اہل کمال سے نہیں تھے تو پھر وہ ہمارا جو کیوں ہمارا دشمن ہو گیا ہے۔

(۴۳)

سرمۂ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے     کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا

میرا کلام نور بصیرت اور راحت نظر ہے جس طرح مفت کا سرمہ جس کی قیمت آنکھوں پر ایک بے معاوضہ احسان کی سی رہ جاتی ہے۔

رخصت نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم     تیرے چہرے سے ہو ظاہر غم پنہاں میرا

ظالم مجھے کچھ تو نالہ و فریاد کی اجازت دے ایسا نہ ہو کہ غم پنہاں ہو جائے اور تو جذب دل سے متاثر ہو کر پریشان ہوتا پھرے۔



(۴۴)

غافل بوہم ناز خود آرا ہے ورنہ یاں     بے شانۂ صبا نہیں طرہ گیاہ کا

شانہ = کنگھی ۔ طرہ گیا = گھاس کا گچھا۔

غافل انسان اپنے آپ پہ ناز کرتا ہے لیکن یہاں تو گھاس کا تنکا تک بھی شانۂ نسیم سے نزہت حاصل کر رہا ہے۔ اگر یہ اپنے آپ کو بھول بھی جائے تو قدرت اسے سنوارتی جاتی ہے۔

بزم قدح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ     صید ز دام جستہ ہے اس دامگاہ کا

بزم شراب سے خوشی اور عشرت کی اُمید نہ کر کیونکہ یہاں دائمی مسرت تو کسی کو میسر ہی نہیں ہے۔

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے     شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

جوابدہی کے وقت اگر شرمندگی سے عذر گناہ نہ کیا جائے تو یہ بعید نہیں کہ رحمت الہی معاف کر دے۔

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے     پُرگل خیال زخم سے دامن نگاہ کا

ہم ایسی مسرت سے مقتل کو جاتے ہیں جیسے سیر باغ کے لئے جایا کرتے تھے۔

جاں در ہوائے یک نگہ گرم ہے اسدؔ     پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

یہ جان شعلہ زنی کی طالب ہے اور تیری نگاہ گرم کا چارہ اسی پر منحصر

ہے جو پروانہ کی طرح جلنا چاہتی ہے

(۴۵)

**جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا — کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا**

وہ ترک ستم سے بھی باز نہ آئے۔ اور ان کا منہ نہ دکھانا بھی ہمارے لئے ظلم بن گیا۔

**رات دن گردش میں ہیں سات آسماں — ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا**

ہمارے گھبرانے کے باوجود آسمان ہر وقت مصروف کار ہے اور کچھ نہ کچھ تو کر ہی رہے گا۔

**لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ — جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا**

دشمنی سے ہم دھوکہ میں آسکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ بھی کچھ نہ ہو تو پھر کیا کریں۔

**ہو لئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ — یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا**

قاصد کو محبوب تک پیام پہنچانے کے طریقے سمجھاتے ہوئے محبوب کے گھر تک پہنچ گئے پھر دفعتاً خیال آیا یہ کیا ؟ کیا ہم خود خط کو دروازہ محبوب تک لے آئے ہیں ؟

**موج خون سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے — آستان یار سے اٹھ جائیں کیا**

خوں فشانیوں سے اگر موج خون سر سے گذر جائے تو بھی ہم محبوب کے دروازہ سے اٹھنے کے نہیں ہیں۔

**عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ — مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا**

زندگی بھر تو موت کا منتظر رہا اب خدا جانے موت کے بعد کیا پیش آئے۔

**پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے — کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا**

وہ پوچھتے ہیں غالب کون ہے کس طرح کہیں کہ عاشق ہے آپ ہی بتلا دو۔

(۴۶)

**لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی — چمن زنگار ہے آئینہ باد بہاری کا**

لطافت بغیر مادیت کے ظاہر نہیں ہو سکتی اور باد بہاری بھی تب نمایاں ہوتی ہے جب چمن میں گل و ریحان کی صورتیں نمودار ہوں یہی جلوہ باد بہاری ہے۔

**حریف جوشش دریا نہیں خودداری ساحل — جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا**

جس طرح پانی کے سیلاب کو ساحل نہیں روک سکتا اسی طرح عطائے ساقی کا کوئی مقابلہ خودداری سے ممکن نہیں ہو سکتا۔

(۴۷)

**عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا — درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا**

قطرہ کی کامرانی سے مراد یہی ہے کہ وہ دریا میں مل کر جذب ہو جائے۔ اسی طرح درد و عشق کی حالت ہے اس کا حد سے گذرنا فنافی الذات ہوتا ہے۔

**تجھ سے قسمت میں مری صورت قفل ابجد — تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا**

تجھ سے صرف اس لئے ملاقات ہوئی کہ قفل ابجد کی طرح ملتے ہی جدائی کی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤں۔

**دل ہوا کشمکش چارہ زحمت میں تمام — مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا وا ہو جانا**

دل کے غم کو مٹانے کے لئے ایسی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا جس نے دل کو مردہ کر دیا اور گرہ کھلنے کی بجائے گھس کر نابید ہو گئی ہے۔

**اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ — اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا**

ہماری محرومی یہاں تک پہنچ گئی کہ اب جفا سے محروم ہو گئے اس سے زیادہ کر دشمن ارباب وفا ہونا اور کیا ہو سکتا ہے ؟

ضعف سے گریہ مبدل بدمِ سرد ہوا — باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

ناتوانی سے پانی کے بھاپ بن جانے اور گریہ کے سرد ہو جانے میں کوئی تفاوت نہیں۔

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال — ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

جس طرح ناخن سے گوشت جدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح تیرا خیال دل سے مٹنا محال ہے۔

ہے مجھے ابرِ بہاری کا برس کر کھلنا — روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا

میرے لئے غمِ فرقت میں رو رو کر فنا ہونا ایسا ہی ہے جیسے ابرِ بہار کا برس کر مطلع کو صاف کر دینا۔

گر نہیں نکہتِ گل کو ترے کوچے کی ہوس — کیوں ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا

اگر بوئے گل کو تیرے کوچہ تک پہنچنے کی ہوس نہیں تھی تو اس کا غبارِ راہِ جولانِ صبا ہونا کس لئے ہے؟

تاکہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل — دیکھ برسات میں سبز آئنے کا ہو جانا

برسات میں سبزہ کی آئینہ کاری زنگاری ہوا کی وجہ سے ہے قدرتی شوق کا کرشمہ دیکھئے۔

بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالب — چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہو جانا

جلوۂ گل خود بخود ذوق پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے ہر وقت طالبِ دید رہنا چاہئے۔ تاکہ ہر چیز سے لطف ملتا رہے۔

# باب الباء



پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب — دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

بال کشا = آمادہ پرواز ۔ بطِ مے = بطخ کی شکل کا ایک ظرف ہوتا ہے ۔ دل و دستِ شنا = اجازت ۔

اب پھر وہ وقت آگیا ہے کہ شراب میں جوش پیدا ہو اور شراب خواری کا دور چلے۔

پوچھ مت وجہِ سیہ مستیِ اربابِ چمن — سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب

سیہ مستی = بدمستی ۔ تاک = انگور ۔

اربابِ چمن کی بدمستی کیا پوچھتے ہو۔ انگور کی بیل کے سایہ کی ہوا میں بھی شراب کی تاثیر ہوا کرتی ہے۔

جو ہوا غرقۂ مے بختِ رسا رکھتا ہے — سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہما موجِ شراب

بختِ رسا کی وجہ سے بالِ ہما کی رعانت کا ذکر ہے۔

نشہ شراب کے سر سے گذرنے پر بھی جذبۂ عیش و نشاط باقی رہتا ہے۔ کیونکہ شراب نوشی خوش بختی کی دلیل ہے۔

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر — موجِ ہستی کو کرے فیضِ ہوا موجِ شراب

موجِ ہستی = جذباتِ روحانی ۔

برسات کا موسم ایسا خوشگوار ہے کہ اس لطیف ہوا سے جذباتِ روحانی سرشار ہو جائیں تو اس میں کیا تعجب ہے۔

چار موج اٹھتی ہے طوفانِ طرب سے ہر سو — موجِ گل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب

عالمِ طرب و مسرت میں شدت سے چار موجیں اٹھتی ہیں۔ موجِ گل۔ موجِ شفق۔ موجِ صبا۔ موجِ شراب۔

جس قدر روح نباتی ہے جگر تشنۂ ناز — دے ہے تسکیں بدمِ آبِ بقا موجِ شراب

معرح نباتی = قوتِ نشوو ارتقا ÷ جگر تشنہ ناز = نشوو نما حاصل کرنے کا جوش ÷ آبِ بقا = باراں ÷

جس طرح بارش کا پانی نباتات کی نشوونما کا باعث ہے اسی طرح برسات میں شراب انسان کے لئے تحریک کا باعث ہوتی ہے۔

بسکہ دوڑے ہے رگِ تاک میں خوں ہو ہو کر ‌ ‌ ‌ شہپرِ رنگ سے ہے بال کشا موجِ شراب

انگور کی بیل کی ڈالیوں کے ریشوں میں شراب کا دورخون کی طرح شاں ہُوا کرتا ہے اور پتوں میں رنگ بن کر ظاہر ہوتا ہے۔

موجۂ گل سے چراغاں ہے گذرگاہِ خیال ‌ ‌ ‌ ہے تصور میں بس جلوہ نما موجِ شراب

شراب اور گل میں رنگ وجہ تشبیہ ہے۔

گذرگاہ تصور کے لئے عالم چراغاں بنا ہُوا ہے کیونکہ خیال میں شراب جلوہ افروز ہے۔

نشہ کے پردے میں ہے محوِ تماشائے دماغ ‌ ‌ ‌ بسکہ رکھتی ہے سرِ نشوونما موجِ شراب

موجِ شراب کا نشہ سے دماغ میں محو تماشا بن جانے کی یہی وجہ ہے کہ وہ غالباً نشوو ارتقا چاہتی ہے۔

ایک عالم پہ ہیں طوفانیٔ کیفیتِ فصل ‌ ‌ ‌ موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موجِ شراب

بہار کی شدت سے سبزہ نوخیز (تازہ کونپلوں) و شراب سب پُر رونق کا عالم طاری ہے۔

شرحِ ہنگامۂ مستی ہے زہے موسمِ گل ‌ ‌ ‌ رہبرِ قطرہ بہ دریا ہے خوشا موجِ شراب

بہار میں نشوو ارتقا کا ظہور اور شراب سے بے خودی یہ دو ہی چیزیں ہیں جو انسانی ہستی کی رہبری کرتی ہُوئی اسے دریائے وحدت سے ملا دیتی ہے۔

ہوش اُڑتے ہیں مرے جلوۂ گل دیکھ اسدؔ ‌ ‌ ‌ پھر ہُوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب

موسم بہار سے میرے ہوش و حواس بے قابو ہو رہے ہیں کیونکہ پھر سے نوشی کا وقت آ گیا ہے۔

# باب التاء

(۴۹)

افسوس کہ دیداں کا کیا رزق فلک نے ‌ ‌ ‌ جن لوگوں کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت

دیداں = کیڑے ÷ عقد گہر = موتیوں کی لڑی ÷

افسوس کہ فلک بدبخت نے انہیں زیر خاک کیڑوں کی خوراک بنا دیا۔ انہیں اس عالم میں ہونا نہیں تھا کیونکہ زمانہ اُن پر مفتوں تھا۔

کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دینا ‌ ‌ ‌ خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

خونی میں یادگار مانگتے وقت تیرا خالی اُنگلی دکھانا مجھے یاد ہے۔

لکھتا ہوں اسدؔ سوزشِ دل سے سخنِ گرم ‌ ‌ ‌ تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

دل کی تاثیر سے حرف بھی جل رہے ہیں۔ اگر کوئی عیب چینی کے لئے ان پر انگلیاں رکھے گا تو جل جائیں گی۔

(۵۰)

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت ‌ ‌ ‌ پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت

کوئی کتنا ہی زندہ رہے مرنا اُس کے لئے لازم ہے۔

جگر کو مرے عشقِ خوں نابہ مشرب ‌ ‌ ‌ لکھے ہے خداوندِ نعمت سلامت

میرا جگر بھی عشق سے پرورش پاتا ہے اسی لئے اُسے خداوند نعمت سلامت لکھا ہے۔

علی الرغمِ دشمن شہیدِ وفا ہوں ‌ ‌ ‌ مُبارک مُبارک سلامت سلامت

رقیب کی مخالفت کے باوجود شہید وفا ہوں اس لئے مبارک اور سلامتی رہے۔

نہیں گر سر و برگ ادراک معنی        تماشائے نیرنگ صورت سلامت

سر و برگ = اہلیت ⬥ ادراک = علم عقلی ⬥ معنی = حقیقت ⬥ نیرنگ = عجائبات ⬥

اگر حقیقت شناسی کی اہلیت نہیں تو ظاہری عجائبات کی سیر بھی کم لطف اندوز نہیں ہے۔

مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالبؔ        یار لائے مری بالیں پہ اُسے پر کس وقت

احباب محبوب کو اس وقت میرے پاس لائے جب موت سر ہانے آ گئی تھی۔ اور اتنا وقت تھا کہ ایک بار آنکھ جھپک کر دیدار کر لوں اور پھر ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند ہو جائیں۔

(۵۱)

آمدِ خط سے ہُوا ہے سرد جو بازارِ دوست        دودِ شمعِ کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست

سرد بازار = طلب باقی نہ رہنا ⬥ خط آنا = داڑھی آنا ⬥

محبوب کی طلب کے باقی نہ رہنے سے معلوم ہُوا کہ دوست کی داڑھی شمع روشن کو گل کرنے کا باعث تھی۔ ایرانی خیال ہے جو از حد نامرغوب معلوم ہوتا ہے۔

اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر        کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست

اے ناعاقبت اندیش دل ضبطِ عشق چاہئے۔ محبوب کے جلوہ دیدار کی تاب کوئی نہیں لا سکتا۔

خانہ ویراں سازیِ حیرت تماشا کیجئے        صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتۂ رفتارِ دوست

میں ایسا وارفتۂ خرام یار ہوں کہ بے خبری میں خانہ ویرانی ساز گار ہے یعنی اُس کے چلے جانے پر مٹا ہوا نقش باقی رہ گیا ہوں۔

عشق میں بیدادِ رشکِ غیر نے مارا مجھے        کشتۂ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست

اگرچہ میں بیمار عشق ہوں۔ مگر رقیب کے رشک سے مر رہا ہوں۔

چشمِ ما روشن کہ اُس بیدرد کا دل شاد ہے        دیدۂ پر خوں ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست

گو ہماری آنکھیں اشک باری سے خون رو رہی ہیں اور شراب نوشی کے نشے سے سرشار ہیں۔ لیکن ہر حالت میں مست ہیں کہ محبوب اس سے خوش ہے۔

غیر یوں کرتا ہے میری پرسش اُس کے ہجر میں        بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست

رقیب ہر بات میں محبوب کی یاد کا تازیانہ لگاتا ہے۔ اُس کی بے تکلفی کی تعریف کیوں نہ کروں جبکہ وہ دوست کی طرح غمخواری فرماتا ہے۔

تاکہ میں جانوں کہ ہے اُسکی رسائی واں تلک        مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

یہ سمجھانے کے لئے کہ محبوب تک دسترس رکھتا ہوں۔ وہ مجھے پیام وعدہ دیدار دیتا رہتا ہے۔

جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ        سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبر بارِ دوست

جب میں اپنے ذہن کی کمزوری کا شکوہ کرتا ہوں تو وہ محبوب کی زلف مشکبیں کا ذکر چھیڑ دیتا ہے۔ اور میرے ہوش ٹھکانے آ جاتے ہیں۔

چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر        ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخیِ گفتارِ دوست

میرا رقیب جب مجھے چھپے ہوئے روتے دیکھتا ہے تو از راہِ تمسخر محبوب کی شوخ بیانی کا ذکر چھیڑ دیتا ہے۔

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے        یا بیاں کیجے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

رقیب کی مہربانیوں کی شکایت کروں یا لذت آزاری کا شکریہ بجالاؤں
کیا کروں اور کیا نہ کروں اسی مخمصہ میں ہوں۔

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ ہے ردیفِ شعر میں غالبؔ زبس تکرارِ دوست

شعر کی ردیف میں دوست کے نام کے مکرر آنے سے یہ غزل مجھے دل سے پسند ہے۔

# باب الجیم

(۵۲)

**گلشن میں بندوبست برنگِ دگر ہے آج — قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج**

بندوبست = انتظام + حلقۂ بیرونِ در = باغ کی بیرونی زنجیر +

چمن میں آج عجیب نرالا انتظام ہے۔ اور باغ کے بیرونی دروازہ پر زنجیر اغیار کی روک تھام کے لئے لگائی گئی ہے۔ تاکہ انہیں پتہ نہ چلے کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

**آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ — تارِ نفس کمندِ شکارِ اثر ہے آج**

ہر آہ و نالہ کے ساتھ دل کا ایک ٹکڑا باہر آتا ہے گویا سانس کی کمند میں آج کافی اثر ہے۔

**اے عافیت کنارہ کرلے انتظام چل — سیلابِ گریہ درپئے دیوار و در ہے آج**

آج رونے اور نالہ ناؤ کرنے کا زور ہے اس لئے عافیت و انتظام کا کنارہ کش ہونا ضروری ہے۔

**لو ہم مریضِ عشق کے تیماردار ہیں — اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج**

ہم تو مریضِ عشق کے تیماردار ہیں۔ معالج نہیں۔ اگر بیمارِ عشق مسیحا



سے بھی دور نہ ہو تو بتلائیے اُس سے کیا سلوک کیا جائے (نعوذ باللہ)

# بابِ جیم فارسی

(۵۳)

**نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ — اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ**

آرزو اور تمنا کے بغیر ایک سانس بھی نہ لو۔ اگر شراب نہیں تو جام شراب کا انتظار سہی۔ کچھ تو ضرور چاہیے۔

**کمالِ گرمیٔ سعیِ تلاشِ دید نہ پوچھ — برنگِ خار مرے آئینہ سے جوہر کھینچ**

برنگِ خار = کانٹوں کی طرح +

کیا دریافت کرتے ہو۔ کہ محبوب کی تلاش میں کس قدر سرگرم رہتا ہوں۔ میرا اشتیاقِ دید دیکھنے کے لئے پاؤں میں چُبھے ہوئے کانٹے دیکھ لیجو۔

**تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل — کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ**

اے دل بستر پہ پڑے رہنے کا بہانہ تو آرام طلبی ہے تجھے کس نے کہا کہ نازِ بستر اُٹھا۔

**تری طرف ہے بحسرت نظارۂ نرگس — بکوریٔ دل و چشمِ رقیب ساغر کھینچ**

نظارۂ نرگس = نرگس اور ساغر میں گول چیزی تشبیہ ہے۔ یعنی ہم شراب کسی کی یاد میں غم غلط کرنے کے لئے نوش کرتے ہیں۔

**بہ نیم غمزہ ادا کر حقِ ودیعتِ ناز — نیامِ پردۂ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ**

نیم غمزہ = نگاہ غلط انداز + ودیعت = امانت +

محبوب نے ناز سے پردہ زخمِ جگر کی نیام میں خنجر چھپا لیا ہے یہ اُس کا حقِ امانت ہے کہ وہ نگاہ غلط انداز سے اُس کی ناز آفرینی کرے۔

مرے قدح میں ہے صہبائے آتش پنہاں　　بروئے سفرہ کباب دل سمندر کھینچ

قدح = پیالہ ۔ صہبا = شراب ۔ سفرہ = دسترخوان ۔

میرا دل ایک پیالہ ہے جس میں شراب عشق موجود ہے اس لئے اس کی مناسبت سے دل سمندر کے واسطے دسترخوان یعنی آتش عشق کی احتیاج ہے۔

# باب دال مہملہ

(۵۴)

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد　　بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

میرے مرنے کے بعد اہل حسن کو غمزہ کی تکلیف سے نجات مل گئی۔

منصب شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا　　ہوئی معزولی انداز و ادا میرے بعد

اب اداؤں کے ناوک کو کوئی نہیں رہا اس لئے میرے بعد ناز و انداز معزول کر دیئے گئے۔

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے　　شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

جب شمع گل ہوتی ہے تو اس سے دھواں نکلتا ہے میری موت نے شمع عشق کو گل کر دیا۔ اور اس سے جو دھواں نکلا ہے۔ وہ میرے ماتم میں عشق کی سیہ پوشی ہے۔

خوں ہے دل خاک میں احوال بتاں پر یعنی　　ان کے ناخن ہوئے محتاج حنا میرے بعد

میرے مرنے کے بعد بھی ناخن حنا کی احتیاج رکھتے ہیں۔ اس لئے تہ خاک میرا دل محبوب کی طلب سے خونیں ہوا جا رہا ہے۔

در خور عرض نہیں جوہر بیداد کو جا　　نگہ ناز ہے سرمے سے خفا میرے بعد

میرے بعد نگہ ناز سرمے سے ناراض ہو گئی ہے کیونکہ اس جوہر بیداد



سے کام لینے کا کوئی موقع باقی نہیں ہے۔

ہے جنوں اہل جنوں کیلئے آغوش وداع　　چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد

میری موت کے بعد دامن گریباں سے چاک ہوتا ہے۔ یہ اہل جنون کے لئے آخری الوداع ہے۔

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق　　ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

میری موت کے بعد ساقی حسن و عشق کا پیمانہ لے کر کہتا ہے کہ کوئی اہل ہمت ہے جو اس جام کو پی سکے۔ اس آواز پہ ساقی مکرر کہتا ہے کون اس کا مقابل ہو سکتا ہے۔

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی　　کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد

مجھے یہ غم کھائے جاتا ہے کہ دنیا میں میرے بعد اتنا بھی کوئی نہیں جو مہر و وفا کی ماتم پرسی کا باعث ہو۔

آئے ہے بیکسی عشق پہ رونا غالب　　کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

عشق کی ویرانی پہ رونا آتا ہے کیونکہ اب اس سیلاب بلا کے لئے کوئی ٹھکانہ نہ باقی نہ رہے گا۔

# باب راء مہملہ

(۵۵)

بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر در و دیوار　　نگاہ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

نگاہ شوق کے لئے در و دیوار بال و پر بنتے جا رہے ہیں اور اشتیاق بڑھتا جاتا ہے۔ اگر اب بھی در و دیوار پیش نظر ہیں۔ تو میری بلا سے۔

وفور اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ　　کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار

آنسوؤں کی مسلسل روانی نے میرے مکان کی حالت ایسی کر دی ہے۔ کہ صرف دیواریں ہی رہ گئی ہیں اور دیواروں کی شکستگی سے درازیں نکل کر دروازے بن گئے ہیں۔

نہیں ہے سایہ کہ سُن کر نویدِ مَقدمِ یار     گئے ہیں چند قدم پیشتر در و دیوار

سایہ دیوار نہیں بلکہ دوست کے خیر مقدم کے لئے در و دیوار آگے جھک گئے ہیں۔

ہُوئی ہے کس قدر ارزانیِ مے جلوہ     کہ مست ہے ترے کوچہ میں ہر در و دیوار

جلوہ شراب کی ارزانی اس قدر ہے کہ در و دیوار پہ بھی مستی کا عالم طاری ہے۔

جو ہے تجھے سرِ سودائے انتظار تو آ     کہ ہیں دکانِ متاعِ نظر در و دیوار

اگر تجھے انتظار کی احتیاج ہے تو آ۔ کیونکہ در و دیوار پہ بہ شوق نگاہیں جم گئی ہیں۔

ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے     کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار

کبھی ایسا نہیں ہُوا کہ میں رونے لگا اور مجھ سے در و دیوار نہ گر پڑے ہوں۔

وہ آ رہا مرے ہمسایہ میں تو سایہ سے     ہُوئے فدا در و دیوار پہ در و دیوار

محبوب کی آمد سے میرے گھر کی در و دیوار کا سایہ اُس کے در و دیوار پہ پڑتا ہے۔ یعنی میرے در و دیوار اُس کے در و دیوار پہ فدا ہوتے ہیں۔

نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی     ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار

میں تیرے گھر کے در و دیوار دیکھ کر ہمیشہ گریہ کناں رہتا ہوں کیونکہ یہ آبادی تیرے بغیر ناگوار ہو گئی ہے۔

نہ پوچھ بیخودیِ عیشِ مَقدمِ سیلاب     کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار

سیلاب پر بیخودیِ عیش کو کیا پوچھتے ہو۔ یہاں تو در و دیوار گر رہے ہیں۔ اور ہر طرف بربادی کا عالم ہے۔

نہ کہہ کسی سے کہ غالبؔ نہیں زمانہ میں     حریفِ رازِ محبت مگر در و دیوار

رازِ محبت کسی سے نہ کہو کیونکہ کسی میں تاب و طاقت ہے۔ شاید در و دیوار بے جان ہوتے ہُوئے ساکت رہ سکیں۔

(۵۶)

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر     جانیگا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

جب تیرے دروازہ پر بلا اجازت ٹھکانا بنا لیا۔ تو کیا پھر بھی تو میرے گھر کو نہیں پہچان سکے گا۔

کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن     جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر

جب مجھ میں گفتگو کی طاقت نہ رہی تو کسی کے دلی حالات سے کیسے واقف ہو سکوں گا۔

کام اُس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں     لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

اُس جفا پیشہ ستمگر محبوب سے پالا پڑا ہے جس کی ستم آرائی کا دُنیا بھر میں شہرہ ہے۔

جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ ہم     سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر

ہماری خاموشی صفائی دل کی وجہ سے ہے۔ اگر دل میں کچھ ہوتا تو بلا خوف کہہ دیتے۔

چھوڑوں گا میں نہ اُس بُتِ کافر کا پوجنا     چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر

گو زمانہ مجھے کافر ہی کہتا ہے۔ میں اُس محبوب کی پرستش سے باز

نہیں آؤں گا۔

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام　　چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

دلی واردات کے اظہار کے لئے تیز دار گفتگو سے کام لینا ہی اصل مقصد ہے۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو　　بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اگر مشاہدۂ جمال حق کی بات چیت کرنی ہو تو بادہ و ساغر کی رنگین تشبیہات کے بغیر چارہ ہی نہیں۔

بہرا ہوں میں تو چاہئے دونا ہو التفات　　سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

میرے جیسے بہرہ کو مکرر سننے سے دوگنا لطف ملنا چاہئے کیونکہ ایک نہیں بار بار کہنے سے سنتا ہوں۔

غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض　　ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر

انہیں تیرے کہنے کے بغیر سب کچھ معلوم ہے۔ تجھے دربار میں بار بار عرض کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵۷)

کیوں جل گیا نہ تاب رُخ یار دیکھ کر　　جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر

جمال یار کی برق پاشی سے بچ گیا۔ اب رشک سے جل رہا ہوں۔ اور بہر صورت جل رہا ہوں۔

آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے　　سرگرم نالہ ہائے شرر بار دیکھ کر

میرے شرر بار نالوں کو دیکھ کر لوگ مجھے آتش پرست سمجھتے ہیں۔

کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جفا　　رُکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر

محبوب عادتاً جفا پیشہ ہوتا تو لذت الم کم ملتی اور امتیاز عشق باقی نہ رہتا۔

آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے　　مرتا ہوں اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

محبوب ہمارے قتل کو آ رہا ہے۔ اور ہم دور سے اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر ادائے تیغ کے رشک سے ہلاک ہوتے جا رہے ہیں۔

ثابت ہوا ہے گردن مینا پہ خون خلق　　لرزے ہے موج مے تری رفتار دیکھ کر

تیری مستی اور نشاط نے دیوانگی اور مستی سے خلق خدا کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ یہ سارا خون صراحی کی گردن پر ہے جس کے خوف سے موج شراب تک لرزاں ہے۔

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ　　ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر

محبوب نے مجھے لذت ستم کا خوگر دیکھ کر ستم کرنا چھوڑ دیا۔ افسوس! صد افسوس!!

بک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ　　لیکن عیار طبع خریدار دیکھ کر

کلام کے ساتھ ہم خود فروخت ہو جایا کرتے ہیں۔ کوئی قدردان سخن در جوہر شناس بھی ہونا چاہئے اب کس کے احسانمند ہوں۔

زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال　　رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر

تسبیح کے دانوں میں ہمواری نہیں اُسے توڑ کر راہ زنار (کفر) پہ چلو۔ کیونکہ مسافر ہمیشہ سیدھا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں　　جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر

تلاش محبوب سے پاؤں میں آبلے پیدا ہو گئے تھے اور گھبرا گیا تھا۔ اب عشق کے پُر خار راستہ کو دیکھ کر خوش ہوں کہ آبلے کانٹوں سے ٹوٹ جائیں گے۔ اور گھبراہٹ دور ہو جائے گی۔

کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے　　طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر

میرا محبوب آئینہ میں پیشِ مژدہ شکل دیکھ کر بدگمان ہو گیا کہ کسی اور کی محبت میں گرفتار ہے۔

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

شراب خور ظرف دیکھ کر شراب دیا کرتے ہیں۔ پھر برق جمال طور پہ کیوں گری وہ بجلی تو ہم پہ گرنی چاہئے تھی۔ کیونکہ ہمارا پیمانہ کافی بڑا تھا۔

سر پھوڑنا وہ غالبِ شوریدہ حال کا
یاد آ گیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

تیری دیوار دیکھ کر سر پھرا غالب یاد آ گیا۔ جو یہاں سر پھوڑا کرتا تھا۔

(۵۸)

لرزتا ہے مرا دل زحمتِ مہرِ درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر

میرا دل آفتاب کی حدت و حرارت سے کانپ رہا ہے۔ میں وہ قطرہ شبنم ہوں جو سرِ خار پر آفتاب کی تابش سے اپنی ہستی کے گم ہو جانے کی فکر میں مضطرب ہے۔

نہ چھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

خانہ آرائی = آرائش + سفیدیٔ دیدہ = آنکھ کی پتلی کے گرد کی سفیدی یا بینائی کا زائل ہونا۔

حضرت یوسف کے والد یعقوب نے بیٹے کی جدائی میں رو رو کر بینائی سے ہاتھ دھو لئے تھے۔ یہاں اسی قصہ کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔

حضرت یوسف نے یہاں بھی آرائش کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اسی لئے دیدہ یعقوب کی سفیدی زنداں پر مرکوز ہو گئی ہے۔

فنا تعلیمِ درسِ بیخودی ہوں اُس زمانے سے
کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر

میں تعلیم فنا میں اُس وقت سے مصروف ہوں۔ جب قیس مبتدی تھا



اور اسے لیلےٰ کا پورا نام ہی نہیں آتا تھا۔ بلکہ لام الف یعنی نفی کی مشق کرتا تھا اس لئے مجھے اس پر فضیلت ہے۔

فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے
بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر

دل کے ٹکڑے نمکدان سے لذت اندوز ہونا چاہتے ہیں اور مرہم کے طلبگار ہیں۔ کاش کہ یہ سب کے سب لذت نمک کے طالب ہوتے۔

نہیں اقلیمِ الفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا
کہ پشتِ چشم سے جس کی نہ ہووے مہر عنواں پر

طومارِ ناز = معشوق + اقلیم الفت = محبت کی حکومت + پشت چشم = آنکھ +

محبت کی حکومت میں کوئی بھی ایسا معشوق نہیں جس کی فرمائشیں اُلٹی نہ ہوں۔ اور جس کے فرامین حسن پر کج ادائی کی مہر چسپاں نہ ہو۔

مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

کبھی تو تیرے فراق میں گلستان پر آگ برستی تھی اور اب یہ حالت ہے کہ مجھے شفقی بادل یاد آتے ہیں۔ بہرحال معاملہ ایک جیسا ہی ہے۔

بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہیداں پر

شوق دیدار محبوب کے سوا شہیدان ناز کے پاس اب کچھ نہیں رہا اور قیامت بھی ہوائے تند و تیز سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اس نے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

اگر ناصح نے نصیحت میں گرمی اور شدت دکھائی ہے۔ تو کیا تم گریباں چاک نہیں کر سکتے۔ تاکہ اسے نصیحت کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے۔

(۵۹)

ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشارے میں نشاں اور
کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور

میرا محبوب آئینہ میں پژمردہ شکل دیکھ کر بدگمان ہو گیا کہ کسی اور کی محبت
گرفتار ہے۔

تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر      دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

شراب خور ظرف دیکھ کر شراب دیا کرتے ہیں۔ پھر برقِ جمال طور پہ کیوں گری
تو ہم پہ گرنی چاہئے تھی۔ کیونکہ ہمارا پیمانہ کوئی بڑا تھا۔

ولِ نادہ غالبِ شوریدہ حال کا      یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

تیری دیوار دیکھ کر سر پھرا غالب یاد آگیا۔ جو یہاں سر پھوڑا کرتا تھا۔

(۵۸)

ہے مرا دل زحمتِ مہرِ درخشاں پر      میں ہوں وہ قطرۂ شبنم جو ہو خارِ بیاباں پر

میرا دل آفتاب کی حدت و حرارت سے کانپ رہا ہے۔ میں وہ قطرۂ شبنم
جو سرِ خار پر آفتاب کی تابش سے اپنی ہستی کے گم ہو جانے کی فکر میں مضطرب

وزی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی      سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

خانہ آرائی = آرائش ۔ سفیدی دیدہ = آنکھ کی پتلی کے گرد کی سفیدی
بینائی کو زائل ہونا۔

حضرت یوسف کے والد یعقوب نے بیٹے کی جدائی میں رو رو کر بینائی سے
دھو دئے تھے۔ یہاں اسی قصہ کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔
حضرت یوسف نے یہاں بھی آرائش کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اسی لئے
یعقوب کی سفیدی زنداں پر مرکوز ہو گئی ہے۔

تعلیم درسِ بیخودی ہوں اُس زمانے سے      کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر

میں تعلیم فنا میں اُس وقت سے مصروف ہوں۔ جب قیس مبتدی تھا



اور اسے لیلیٰ کا پورا نام بھی نہیں آتا تھا۔ بلکہ لام الف یعنی نفی کی مشق کرتا
لئے مجھے اُس پر فضیلت ہے۔

فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے      بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل

دل کے ٹکڑے نمکدان سے لذت اندوز ہونا چاہتے ہیں اور مرہم کے
ہیں۔ کاش کہ یہ سب کے سب لذتِ نمک کے طالب ہوتے۔

نہیں اقلیمِ الفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا      کہ پشتِ چشم سے جس کے نہ ہووے مہر

طومارِ ناز = معشوق ۔ اقلیم الفت = محبت کی حکومت ۔ پشت چشم
اُٹھی نگاہ ۔

محبت کی حکومت میں کوئی بھی ایسا معشوق نہیں۔ جس کی فرمائشیں
نہ ہوں۔ اور جس کے فرامینِ حسن پہ کج ادائی کی مہر چسپاں نہ ہو۔

مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا      کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی

کبھی تو تیرے فراق میں گلستان پہ آگ برستی تھی اور اب یہ حالت
کہ مجھے شفقی بادل یاد آتے ہیں۔ بہرحال معاملہ ایک جیسا ہی ہے۔

بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا      قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہ

شوقِ دیدارِ محبوب کے سوا شہیدانِ ناز کے پاس اب کچھ نہیں رہا
قیامت بھی ہوائے تند و تیز سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اس نے شدت کی      ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریبا

اگر ناصح نے نصیحت میں گرمی اور شدت دکھائی ہے۔ تو کیا تم گریبا
چاک نہیں کر سکتے۔ تاکہ اُسے نصیحت کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے۔

(۵۹)

ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشارے میں نشاں اور      کرتے ہیں محبت تو گذرتا ہے گماں

میرا محبوب آئینہ میں پژمردہ شکل دیکھ کر بدگمان ہو گیا کہ کسی اور کی محبت میں گرفتار ہے۔

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر — دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

شراب خور ظرف دیکھ کر شراب دیا کرتے ہیں۔ پھر برقِ جمال طور پر کیوں گری وہ بجلی تو ہم پر گرنی چاہئے تھی۔ کیونکہ ہمارا پیمانہ کوئی بڑا تھا۔

سر پھوڑنا وہ غالبِ شوریدہ حال کا — یاد آ گیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

تیری دیوار دیکھ کر سر پھرا غالب یاد آ گیا۔ جو یہاں سر پھوڑا کرتا تھا۔

(۵۸)

لرزتا ہے مرا دل زحمتِ مہرِ درخشاں پر — میں ہوں وہ قطرۂ شبنم جو ہو خارِ بیاباں پر

میرا دل آفتاب کی حدت و حرارت سے کانپ رہا ہے۔ میں وہ قطرۂ شبنم ہوں جو سرِ خار پہ آفتاب کی تپش سے اپنی ہستی کے گم ہو جانے کی فکر میں مضطرب ہے۔

نہ چھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی — سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

خانہ آرائی = آرائش + سفیدی دیدہ = آنکھ کی پتلی کے گرد کی سفیدی یا بینائی کا زائل ہونا۔

حضرت یوسف کے والد یعقوب نے بیٹے کی جدائی میں رو رو کر بینائی سے ہاتھ دھو دئے تھے۔ یہاں اسی قصہ کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔

حضرت یوسف نے یہاں بھی آرائش کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اسی لئے دیدہ یعقوب کی سفیدی زنداں پر مرکوز ہو گئی ہے۔

فنِ تعلیمِ درسِ بیخودی ہوں اُس زمانے سے — کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر

میں تعلیم فن میں اُس وقت سے مصروف ہوں۔ جب قیس مبتدی تھا اور اسے لیلےٰ کا پورا نام بھی نہیں آتا تھا۔ بلکہ لام الف یعنی نفی کی مشق کرتا تھا اس لئے مجھے اُس پر فضیلت ہے۔

فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے — بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر

دل کے ٹکڑے نمکدان سے لذت اندوز ہونا چاہتے ہیں اور مرہم کے طلبگار ہیں۔ کاش کہ یہ سب کے سب لذتِ نمک کے طالب ہوتے۔

نہیں اقلیمِ الفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا — کہ پشتِ چشم سے جس کی نہ ہووے مہر عنواں پر

طومارِ ناز = معشوق + اقلیم الفت = محبت کی حکومت + پشت چشم = اُلٹی نگاہ +

محبت کی حکومت میں کوئی بھی ایسا معشوق نہیں۔ جس کی فرمائشیں اُلٹی نہ ہوں۔ اور جس کے فرامین حسن پر کج ادائی کی مہر چھاپ نہ ہو۔

مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا — کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

کبھی تو تیرے فراق میں گلستان پر آگ برستی تھی اور اب یہ حالت ہے کہ مجھے شفقی بادل یاد آتے ہیں۔ بہر حال معاملہ ایک جیسا ہی ہے۔

بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہو گا — قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہیداں پر

شوقِ دیدارِ محبوب کے سوا شہیدانِ ناز کے پاس اب کچھ نہیں رہا اور قیامت بھی ہوائے تند و تیز سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اس نے شدت کی — ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

اگر ناصح نے نصیحت میں گرمی اور شدت دکھلائی ہے۔ تو کیا تم گریباں چاک نہیں کر سکتے۔ تاکہ اُسے نصیحت کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے۔

(۵۹)

ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشارے میں نشاں اور — کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور

ہوئے تھے جو نور آ جب پڑے ۔

مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیّر سے لڑائی ۔ بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

مجھ سے تیری نفرت اور نیّر سے لڑائی منظور سہی مگر کیا گھر کے بچوں کا تماشا بھی کچھ دن اور نہیں دیکھنا تھا ۔

گزری نہ بہرحال یہ مدت خوش و ناخوش ۔ کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

اے جوانی میں مرنے والے کچھ دن تو اور خوش و ناخوش رہ کر گزر کرنی تھی ۔

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب ۔ قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

تم نادان ہو جو غالب کے جینے کی وجہ پوچھتے ہو ابھی تو اس کے مقدر میں مرنے کی تمنا کچھ دن کے لئے اور لکھی ہے ۔

# باب زاء معجمہ

(۶۴)

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر ۔ ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز

فارغ ۔ بے فکر ۔

مرنے کے بعد بھی لیل و نہار نے فارغ نہیں رکھا میرے کفن سے عشق کا داغ نمایاں اور مصروف کار رہوں ۔

ہے ناز مفلساں زر از دست رفتہ پر ۔ ہوں گل فروش شوخی داغ کہن ہنوز

زر از دست رفتہ = گم شدہ دولت ۔ گل درم = اشرفی ۔

جس طرح مفلس گم شدہ دولت پر فخر کرتے ہیں ۔ میں اپنے زخم کہن کو تازہ اور نئی نئی شوخیوں کے داغ دے ڈالا دیتا ہوں ۔



میخانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں ۔ خمیازہ کھینچے ہے بت بیداد فن ہنوز

معشوق خودی کے نشہ میں اترا رہا ہے ۔ اور طاقت ضبط بھی نہیں ہے ۔

حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز ۔ دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر دراز

حریف مطلب مشکل = کسی مشکل کے حل پر آمادہ ۔

مشکلات میں ہمارا مطلب نیاز مندی سے بھی نہیں نکلتا ۔ اس لئے ہم بھی یہ دعا کرتے ہیں کہ اے خدا خضر کی عمر دراز ہو ۔ کیونکہ یہ دعا پہلے ہی مقبول ہو چکی ہے ۔

نہ ہو بہ ہرزہ بیابان نورد وہم وجود ۔ ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

بیابان عالم میں وجود وہمی سے بیہودگی نہ دکھلا ۔ ابھی تیرے تصور میں این و آں کا امتیاز باقی ہے ۔ وحدت نہیں ہے ۔

وصال جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہاں ۔ کہ دیجئے آئینۂ انتظار کو پرداز

جلوۂ محبوب سے وصل ملتا ہے لیکن اتنی عقل کہاں کہ فطرت کی کارگزاریوں پہ غور کریں ۔

ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست ۔ گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوۂ ناز

عاشق کے وجود کا ہر ایک ذرہ آفتاب سے مستفیض ہے ۔ اس لئے مرنے کے بعد شوق نظارۂ جمال باقی رہتا ہے ۔

نہ پوچھ وسعت میخانۂ جنوں غالب ۔ جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

عالم جنون میں اتنی وسعت ہے کہ ہم آسمان کی حقیقت کوڑا پھینکنے والے برتن سے زیادہ نہیں سمجھتے ۔

(۶۵)

وسعت سعی کرم دیکھ کہ سرتاسر خاک ۔ گزرے ہے آبلہ پا ابر گہربار ہنوز

تجھ کو ارزانی رہی تجھ کو مبارک ہو جیو ۔۔۔ نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک

تجھے جفا شعاری مبارک ہو۔ اور مجھے بلبل کی نالہ وزاری مبارک رہے۔

شورِ جولاں تھا کنارِ بحر پر کس کا کہ آج ۔۔۔ گردِ ساحل ہے بزخمِ موجۂ دریا نمک

شور = شورِ دریا + جولاں = تموجِ دریا + بزخم موجۂ دریا = موج زخم کے مشابہ ہوتی ہے +

تیری موج نے ساحل کو پُرشور کر دیا۔ اور جب شورت گرد اُڑ کر زخم دریا پر پڑی تو اس سے نمک پاشی ہونے لگ گئی۔

داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی واہ وا ۔۔۔ یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا نمک

میرا محبوب جہاں بھی نمک دیکھتا ہے اُسے مجھ پر نمک پاشی کا خیال آ جاتا ہے اور میرے زخموں کو داد مل جاتی ہے۔

چھوڑ کر جانا تنِ مجروحِ عاشق حیف ہے ۔۔۔ دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگیں ہیں اعضا نمک

افسوس تم نے مجروح جسم کو چھوڑ کر چل دینا اچھا سمجھا مگر میرے دل کے زخم نئے نمک پاشی کی بڑی محتاج ہے۔

غیر کی منت نہ کھینچوں گا پئے توفیرِ درد ۔۔۔ زخم مثلِ خندۂ قاتل ہے سرتا پا نمک

عاشق کے لئے کسی غیر کا دردطلبی کے لئے احسان مند ہونا اچھا نہیں۔ جبکہ میرے زخم خود بخود نمکین ہیں۔

یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وجدِ ذوق میں ۔۔۔ زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چنتا تھا نمک

غالب تجھے میرا وہ شوق ہو کر پلکوں سے زخم کا نمک چننا یاد ہی ہے؟

(۴۴)

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک ۔۔۔ کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

آہ کو اثر ہونے کے لئے کافی مدت درکار ہے۔ اور اس کی تاثیر کی رعایت سے زلف کی درازی مسلم۔

دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ ۔۔۔ دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

دریا کی موجوں میں سینکڑوں دہن ہائے نہنگ ہیں۔ دیکھئے قطرہ بارش کو گہر بننے تک کیا گذرتی ہے۔

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب ۔۔۔ دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

دل کے خون جگر بننے تک کتنے انقلاب بپا ہوں گے۔ عشق میں طلب صبر سے معاملہ دگرگوں ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں تمنا بیتاب کئے ہوئے ہے۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن ۔۔۔ خاک ہو جائینگے ہم تم کو خبر ہونے تک

ہم نے تسلیم کیا کہ تم تغافل نہیں کرو گے۔ لیکن جب آپ کو ہماری حالت کا پتہ چلے گا جان ہوا ہو چکی ہوگی۔

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم ۔۔۔ میں بھی ہوں اک عنایت کی نظر ہونے تک

جس طرح آفتاب باوجود فیض بخشش ہونے کے شبنم کو حرارت سے فنا کر دیتا ہے۔ اسی طرح عاشق کی نگاہِ لطف بھی زندگی کے لئے باعثِ ہلاکت ہے۔

یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل ۔۔۔ گرمیٔ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

فرصتِ ہستی = حیاتِ انسانی + گرمیٔ بزم = رونقِ دُنیا + رقصِ شرر = سریع الزوال +

حیاتِ انسانی اور رونقِ دُنیا زود فنا اور سریع الزوال ہے۔

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج ۔۔۔ شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

جس طرح شمع کی روشنی اور اس کا جلنا لازم و ملزوم ہے اسی طرح عملی حیثیت سے غم و حیاتِ انسانی بھی مترادف ہیں۔

غمِ ہستی کا علاج گھل گھل کر مرنے کے سوائے کوئی نہیں جس طرح شمع کو صبح

تک جلنا پڑتا ہے۔ اُسی طرح زندگی بھر انسان کو سوز و گداز سے لذت یاب ہونا پڑتا ہے۔

# باب کاف فارسی

(۷۵)

گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دعا نہ مانگ — یعنی بغیر یک دلِ بے مدعا نہ مانگ

اگر تجھے قبولیت دعا کا پتہ ہے تو یہ دعا کر کہ اے خدا میرے دل میں کوئی خواہش اور تمنا باقی نہ رہے۔

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد — مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

اے خدا مجھ سے میرے گناہوں کا حساب طلب نہ کر اس سے دل کی حسرتوں کے داغ ہرے ہوتے ہیں۔ اور شرمندگی بڑھتی ہے۔

# باب اللّام

(۷۶)

ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ وفائے گل — بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل

بلبل کس طرح پھولوں کے فریب میں آئی ہوئی ہے۔ اور اس کی حالت پر پھول منہ کھول کھول کر ہنس رہے ہیں۔

آزادیٔ نسیم مبارک کہ ہر طرف — ٹوٹے پڑے ہیں حلقۂ دامِ ہوائے گل

ہوائے گل کی آزادی نے حلقہ ہائے دام توڑ دئے اور پھول شگفتہ ہو گئے ہیں۔

جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا — اے وائے نالۂ لبِ خونیں نوائے گل



جب بھی دیکھئے پھولوں کی شگفتگی پہ مرتا ہے۔ حتیٰ کہ پھول کے نالۂ خونیں کی حقیقت نرم نرم پتیوں سے بھی نمایاں ہو رہی ہے۔

خوش حال اس حریفِ سیہ مست کا کہ جو — رکھتا ہو مثلِ سایۂ گل سر بپائے گل

مستِ وحدت کے خمار کا کیا پوچھتے ہو۔ بدمستی نے اس کے سر کو پھولوں کے پاؤں میں گرا دیا ہے۔

ایجاد کرتی ہے اُسے تیرے لئے بہار — میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گل

پھولوں کو بہار تیرے لئے شگفتہ کرتی ہے کیونکہ پھولوں کی عطر بیزی میری رقیب ہے۔

شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے — مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل

بے شراب مینا بھی بے دلی سے مجھے بادِ بہاری میں کھل کھل کر شرمندہ کرتا ہے۔

سطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کی — خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل

تیرے جلوۂ حسنِ غیرت مند کی شان پھول کے رنگ دلربائی کو میرے لئے دلکش نہیں رکھتی۔ اسی وجہ سے میری نگاہ میں اُس کے رنگ آمیزی کا خون موجود ہے۔

تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک — بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل

پھولوں کی شگفتگی کا سلسلہ تیرے جلوہ ذوقِ دیدار کی بے اختیاری سے ہے۔

غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو — جس کا خیال ہے گلِ جیبِ قبائے گل

میری اُس سے واصل ہونے کی تمنا ہے۔ جو معشوقِ حقیقی ہے۔

# باب المیم

(۷۷)

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس — برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

آزاد لوگوں کو ایک لمحے کے لئے بھی غم نہیں ہوتا۔ ان کی بزمِ ماتم بجلی کے کوندنے کی طرح ناپائیدار اور فوری ہوتی ہے۔

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال — ہیں ورق گردانیِ نیرنگِ یک بتخانہ ہم

اُس شوخ و شنگ محبوب کے خیال ہی خیال سے محفلیں برہم ہوتی ہیں پھر دُنیا میں ہمارے عشق ستم کی کیا پوچھتے ہو۔

باوجودِ یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں — ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم

ہنگامے نے ایک دُنیا کا وجود بنا دیا ہے لیکن ہم پھر بھی چراغوں اور شمعوں کی طرح ہیں جو پروانہ کی ہنگامہ آرائی سے روشن ہیں۔

ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترکِ جستجو — ہیں وبالِ تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہ ہم

ضعف = مجبوری ۔ قناعت = ترکِ ہوس ۔ تکیہ گاہ = بھروسہ ۔

ہمارا علائقِ دنیوی کو ترک کرنے کی جستجو کرنا اپنی کمزوریِ دل کی وجہ سے ہے۔ ترکِ ہوس سے نہیں۔ اسی لئے ہم ہمتِ مردانہ کے لئے باعثِ شرم ہیں۔

دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسدؔ — جانتے ہیں سینۂ پُر خوں کو زنداں خانہ ہم

ہمارے دل میں لاکھوں تمنائیں ہیں جن کا خون ہو چکا ہے گویا وہ دائم الحبس ہیں اور ہمارا پہلو قید خانہ ہے۔

(۷۸)

بہ نالہ حاصلِ دلبستگی فراہم کر — متاعِ خانۂ زنجیر جز صدا معلوم



جس طرح سلسلۂ زنجیر سے آواز کی صدا کے بغیر کچھ ظاہر نہیں ہوتا اسی طرح ہمارے تعلقاتِ دنیوی سے صرف گریہ و غم ہی ظاہر ہوتا ہے۔

(۷۹)

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دُور — رکھ لی مرے خُدا نے مری بیکسی کی شرم

میری بیکسی چاہتی تھی کہ ایسی جگہ موت آئے جہاں کوئی ہمدرد حال اور واقف نہ ہو۔ اسی لئے مجھے وطن سے دور دیارِ غیر میں بیکس بنا کر ہلاک کیا تاکہ بیکسی کی شرم رہ جائے۔

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خُدا — رکھ لیجو میرے دعوئے وارستگی کی شرم

اے خُدا میری آوارگی اور آزادیاں کی شرم رکھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ اسیرِ زلف ہو جاؤں۔

# باب النون

(۸۰)

لوں دامِ بختِ خفتہ سے یک خوابِ خوش ولے — غالبؔ یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

اپنی خواب آور قسمت سے ایک دلکش نیند قرض لے لوں۔ لیکن خوف ہے کہ اس قرض سے کس طرح سبکدوشی پاؤں گا۔ کیونکہ شب بیداری میری قسمت میں لکھی ہے۔

(۸۱)

وہ فراق اور وہ وصال کہاں — وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

فراق اور وصال کی گھڑیاں گذر گئیں وہ زمانہ اب کہاں سے واپس آئے؟ ماہ و سال کا دور ختم ہو گیا۔

فرصت کاروبارِ شوق کسے ذوقِ نظارۂ جمال کہاں

فرصت عشق بھی نہیں اور نہ نظارہ جمال کے شوق کی خواہش باقی ہے۔

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا شورِ سودائے خط و خال کہاں

دل کی کیا پوچھتے ہو ہنگامۂ عشق و محبت کی برداشت کا جذبہ بھی اب اس میں نہیں رہا۔

تھی وہ اک شخص کے تصور سے اب وہ رعنائیٔ خیال کہاں

رنگینیٔ خیال صرف محبوب خوش جمال کی وجہ سے تھی اب وہ کہاں؟

ایسا آساں نہیں لہو رونا دل میں طاقت جگر میں حال کہاں

دل و جگر اب خونیں اشک نہیں بہاتے۔کیونکہ اُن کی حیات فنا ہو چکی ہے۔

ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق واں جو جائیں گرہ میں مال کہاں

عشق کے قمار خانہ کی حقیقت ہم نہیں جانتے کیونکہ نقدِ دل و جان ہار چکے ہیں۔اب خالی ہاتھ ہیں۔

فکرِ دُنیا میں سر کھپاتا ہوں میں کہاں اور یہ وبال کہاں

مجھ سے عشق کا جنجال دور ہو گیا۔اب دُنیا کے جھگڑوں سے سر پھوڑ رہا ہوں۔

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ وہ عناصر میں اعتدال کہاں

اعضا کمزور ہو گئے۔اور اعتدال عناصر نہیں رہا۔جو فراق و وصال کی باتیں چھیڑیں۔

(۸۲)

کی وفا ہم سے تو غیر اُس کو جفا کہتے ہیں ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

ہم سے اگر وفا کی ہوگی تو اغیار سے بے وفائی یقینی ہے۔کیونکہ وہ ان کی وفا کے مستحق نہ تھے۔اس لئے اُن کا بُرا کہنا ایسا ہی ہے جیسا لوگ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں۔

آج ہم اپنی پریشانیٔ خاطر اُن سے کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

ہم آج پریشانیٔ دل کی وجہ سے کچھ انہیں کہنے چلے ہیں۔لیکن خبر نہیں کیا کہتا ہے۔

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہیں

وہ پُرانے زمانہ کے لوگ تھے۔ان پر الزام نہ دو۔جو شراب اور نغمہ کو غم غلط کرنے والا سمجھتے ہیں مگر وہ ایسا نہیں ہے۔

دل میں آجائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں

نالہ کی رسائی کیا کچھ کم ہے کہ جہاں غشی سے فرصت ملی فوراً دل تک پہنچ گئی۔اور جب عالم ہوش نہ رہا تو ڈھونڈنے سے بھی نہ ملا۔

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

معبودِ حقیقی حواس و ادراک سے بالاتر ہے۔رہا کعبہ کا سوال جس کی پرستش کو عوام مقصود بالذات سمجھے ہوئے ہیں۔یہ نکتہ سنجوں کے نزدیک محض آلات کی طرح سے ہے۔

پائے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے خارِ رہ کو ترے ہم مہرِ گیا کہتے ہیں

جب سے تجھے میرے چھلنی پاؤں پر رحم آیا ہے ہم تیرے راستے کے کانٹوں کو محبت کی گھاس سمجھتے ہیں۔

اک شرر دل میں ہے اُس سے کوئی گھبرائے گا کیا آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں

دل میں ایک چنگاری سلگ رہی ہے اس سے گھبرا کر آہ و زاری نہیں

کرتے بلکہ اس کو ہوا دے کر اور تیز تر کرتے رہتے ہیں۔

دیکھئے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ　　اُس کی ہر بات پہ ہم نامِ خدا کہتے ہیں

محبوب دلربا کی نخوت کیا گل کھلاتی ہے۔ اس کی ہر ادا پر از راہ شوخی نام خدا یاد آتا ہے۔

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید　　مر گیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہیں

وہ غالب جس کے کلام میں سوز و درد تھا مر گیا۔ شاید وحشت و شیفتہ اس کا مرثیہ کہیں (یہ دونوں مرحوم غالب کے شاگرد تھے)

(۸۳)

آبرو کیا خاک اُس گل کی کہ گلشن میں نہیں　　ہے گریباں ننگِ پیراہن جو دامن میں نہیں

اُس پھول کی کوئی آبرو نہیں جو چمن میں زینت افروز نہیں اور وہ گریباں باعث ننگ ہے جس کا چاک دامن تک نہیں پہنچا۔

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں　　رنگ ہو کر اُڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں

کمزوری کی وجہ سے جب جسم میں خون ہی نہیں رہا۔ تو کس طرح اشک پر خون کے دھبے دامن پر رنگینی لائیں۔

ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہِ آفتاب　　ذرّے اُس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

دیوار محبوب کے روزن کے چمکدار ذرات نگاہ شوق آفتاب کے اجزا ہیں۔

کیا کہوں تاریکیٔ زندانِ غم اندھیر ہے　　پنبہ نورِ صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں

تاریکی زندان غم کا یہ عالم ہے کہ روئی کی سفیدی نور صبح کی مانند معلوم ہوتی ہے۔

رونقِ ہستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے　　انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں



زندگی کی چہل پہل عشق کی ویرانہ سامانی سے ہے۔ اگر شمع عشق نہ ہوتی تو رونق عالم مفقود تھی۔

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن　　غیر سمجھا ہے کہ لذت زخمِ سوزن میں نہیں

زخم سلوانے سے غیر کو یہ زخم کا گمان ہے لیکن میں تو سوئی چبھنے کے درد سے ایک لذت حاصل کرتا ہوں۔

بسکہ ہم ہیں اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے　　جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں

ہم معشوق کے ہلاک کردہ ہیں۔ اس لئے ہمارے مزار پر اُس کے ناز کے نشان کے علاوہ اور کسی شے کا وجود نہیں۔

قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا　　خوں بھی ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

ہر ایک قطرہ میں ناسور بن جانے کا مادہ موجود ہے اور میرے جسم کا خون بھی ذوق درد سے آشنا ہے۔

لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری　　موجِ مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں

مینا = صراحی ہے اور گردن میں رعایت ہے۔ قلزم = کثرت مے خواری۔ ساقی کو شراب کی تیزی کا گھمنڈ تھا۔ لیکن میں سب پی گیا۔ اور صراحی شراب سے خالی ہو گئی۔

ہو فشارِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود　　قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں

کمزوری نے بند بند جکڑ ڈالا ہے اب میرے جسم کو خم کرنا بھی محال ہو گیا ہے۔

تھی وطن میں شان کیا غالبؔ کہ ہو غربت میں قدر　　بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلخن میں نہیں

وطن میں اگر ہماری قدر ہوتی تو غربت میں شان رہتی کیونکہ میں وہ کوڑا کرکٹ ہوں جو آتشدان میں تھوڑے وقفہ کے لئے روشنی بھی نہیں کر سکتا۔ یعنی میری ہستی حقیر اور فائدہ سے خالی ہے۔

(۸۴)

عہدے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آ سکا — گر اک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کہوں

معشوق کے ناز و انداز کا فرض مجھ سے ادا نہ ہو سکا کہ کسی ایک انداز کو قضا سمجھ کر جان دے سکتا تھا۔ باقی اداؤں پر کیسے قربان جاؤں۔

حلقے ہیں چشم ہائے کشادہ بسوئے دل — ہر تارِ زلف کو نگہِ سرمہ سا کہوں

دیدہ و دیدہ آنکھیں کسی کی تاک میں ہیں۔ تارِ زلف کو سرمگیں نگاہ کیسے کہوں؟ نگاہ و چشم میں بڑا فرق ہے۔

میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش — تو اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں

میں ایک اکیلا اور ہزاروں نالہ و زاریاں انہیں تو کس طرح سنے گا۔

ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ — ہے ہے خدا نہ کردہ تجھے بے وفا کہوں

مجھے میرے گمان اور عقل کی وجہ سے تجھے بے وفا کہنا پڑتا ہے خدا ایسا ظلم نہ کرنا کہ تجھے بے وفائی سے شرمندہ ہونا پڑے۔

(۸۵)

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت — میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

مجھ پر مہربان ہو کر جس وقت چاہو بلا لو۔ میں گذرا ہوا وقت نہیں کہ پھر دوبارہ واپس نہ آ سکوں۔ یعنی میں معدوم نہیں ہوں۔

ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے — بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

جس طرح کمزوری میں سر اٹھا کر متوجہ ہونا دشوار ہے۔ کمزوری میں مجھے دوستوں کے طعنے گراں نہیں معلوم ہوتے۔

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ — کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

مجھے زہر نہیں ملتا ورنہ جس طرح تیرے ملنے کی قسم کھانا غیر ممکن ہے۔



اُسی طرح زہر کھانا بھی مشکل ہے۔

(۸۶)

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن — ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن

ہم سے کسی روز شراب پینے میں بے تکلف ہو جاؤ۔ ورنہ ہم ایک دن عذرِ مستی رکھ کر ضرور چھیڑیں گے۔

غرۂ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہ ہو — اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن

غرۂ = مغرور۔

دنیا والوں کی بلند تر عمارتوں پر غرور کیوں کرتا ہے؟ اس عروج کو زوال لازم ہے۔

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں — رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

قرض اُٹھا کر شراب نوشی کرتے تھے اور جانتے تھے کہ کسی نہ کسی وقت ہماری فاقہ مستی رسوائی کا سبب ہو گی۔

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانئے — بے صدا ہو جائیگا یہ سازِ ہستی ایک دن

اے دل! شادی و غم کے نغموں کو غنیمت سمجھو۔ کیونکہ ایک دن اس سازِ ہستی سے نہ غم کی صدا بلند ہو گی نہ شادی کا ترانہ۔

دھول دھپا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں — ہم ہی کر بیٹھے تھے غالبؔ پیش دستی ایک دن

ہمارے محبوب کا ظلم و ستم شیوہ نہیں۔ ہمارے ہی چھیڑنے سے اُس نے ایک دن دراز دستی کی تھی۔

(۸۷)

پر جفا سے ترکِ وفا کا گماں نہیں — اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحاں نہیں

محبوب ہم پہ جفا کرتا ہے امتحان کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ دیکھیں جفا

کرنے سے وفا کو ترک تو نہیں کرے گا۔ جو محض ایک چھیڑ چھاڑ ہے۔

کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

ذات باری کے الطاف کا کس زبان سے شکر بجالاؤں۔ وہ ہمیشہ میری مدد کرتا ہے۔ لیکن نہ گفتگو اور نہ بول چال سے۔

ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں

ہم کو اُس کا ستم عزیز ہے۔ اور ستم کرنے کے لئے وہ ہم کو عزیز رکھتا ہے۔ بہرصورت اس کی نامہربانی سے بھی مہربانی واضح ہوتی ہے۔

بوسہ نہیں نہ دیجئے دشنام ہی سہی آخر زباں تو رکھتے ہو تم گر دہاں نہیں

بوسہ چاہتے ہیں اگر بوسہ نہیں دیتے تو گالیاں ہی دیجئے۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ اگر دہن نہیں رکھتے تو زبان گالیوں کے لئے تو موجود ہے۔

ہرچند جاں گدازی قہر و عتاب ہے ہرچند پشت گرمی تاب و تواں نہیں

اُس شوخ و شنگ کا قہر و عتاب سوہان جان ہے اور تاب و طاقت نے جواب دے ڈالا ہے۔

جاں مطرب ترانۂ ھل من مزید ہے لب پردہ سنج زمزمۂ الاماں نہیں

میری جان تیرا ترانہ گا رہی ہے کہ اے ظالم مجھ پر ظلم اور زیادہ کر کیونکہ لب پر الاماں کا لفظ تک نہیں آیا ہے۔

ہے ننگ سینہ دل اگر آتشکدہ نہ ہو ہے عار دل نفس اگر آذرفشاں نہیں

وہ سینہ ہی کیا جس میں سوز آتش نہ ہو۔ اور وہ دل ہی کیا ہے جس سے نفس آتش باری نہ کرتا ہو۔

خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم دل میں چھری چبھو مژہ گر خونچکاں نہیں

اگر دل دو ٹکڑے نہیں تو خنجر سے سینہ چاک کر کے دل کو دو نیم کر۔ اگر مژگان اشک فشاں نہیں تو دل میں چھری چبھو کر اسے خونچکاں کر دے۔

نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں

ویران سامانی سے اگر میرا گھر اُجڑتا ہے تو مجھے کوئی نقصان نہیں ہے۔ گھر میں زیادہ سے زیادہ سو گز زمین ہوگی۔ جنوں تو اس کے بدلے ایک جنگل دے رہا ہے۔ کیا پھر بھی سودا مہنگا ہے۔

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں گویا جبیں پہ سجدۂ بت کا نشاں نہیں

میری تقدیر کا کیا پوچھتے ہو۔ میرے مقدر میں تو سجدہ محبوب کا نشان تک نہیں اور کیا خاک ہوگا؟

پاتا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی روح القدس اگرچہ مرا ہمزباں نہیں

اگرچہ روح القدس بھی میرے جیسا شستہ بیان نہیں (نعوذ باللہ) لیکن اس کے باوجود اپنے کلام کی داد مجھے وہ دیتا ہے۔

جاں ہے بہائے بوسہ ولے کیوں کہے ابھی غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

اس کے بوسہ کی قیمت جان ہے لیکن وہ جان طلب کر کے بوسہ دینے کو تیار نہیں۔ شاید میرے نیم جان ہونے پر وہ مجھ سے کہے گا کہ جان دیدو اور بوسہ لے لو کیونکہ پوری جان کی قیمت ایک بوسہ ہے؟

(۸۸)

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

پاؤں میں زنجیر ڈالنے پر بھی میرا شوق صحرا نوردی کم نہیں ہوا۔ بلکہ تیز تر ہو گیا۔ اور زنجیر بھی میرے پاؤں کا چکر ثابت ہوگئی۔

شوق اُس دشت میں دوڑائے ہے مجھکو کہ جہاں جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہیں

میرا شوق جنوں جنگل میں لئے جاتا ہے۔ جہاں راستہ دیدۂ تصویر کی نگاہ

یعنی معدوم ہے۔

حسرتِ لذتِ آزار رہی جاتی ہے — جادۂ راہِ وفا جز دمِ شمشیر نہیں

راہِ وفا میں تلوار کی تیز دھار پر چلنا پڑتا ہے۔ کوئی دوسرا راستہ ہوتا تو دل کی حسرتِ آزاری باقی نہ رہ جاتی۔

رنجِ نومیدیِ جاوید گوارا رہیو — خوش ہوں گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں

مجھے یاس و ناامیدی ہمیشہ گوارا ہے اور اس سے خوش ہوں کہ بے تاثیر نالے کا احسان مند تو نہیں۔

سر کھجاتا ہے جہاں زخمِ سر اچھا ہو جائے — لذتِ سنگ باندازۂ تقریر نہیں

کاش! خواہشِ زخم یا سنگِ اطفال کا نشانہ بنتا۔ زخم کی لذت بیان سے باہر ہے اسی لئے سر کھجاتا ہوں مگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ زخم بھر آنے کو ہے اسلئے کھجاتا ہوں۔

جب کرم رخصتِ بیباکی و گستاخی دے — کوئی تقصیر بجز خجلتِ تقصیر نہیں

جب ذاتِ کریمی گناہ کرنے پر بیباکی سے آمادہ کردے تو گناہ سے شرمندہ ہونے کے علاوہ کوئی بھی گناہ باقی نہیں رہتا۔

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ — آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

غالب! بقولِ ناسخ ہمارا اعتقاد ہے کہ جو میر کو استاد نہیں مانتا اُسے خود کچھ نہیں آتا۔

## مطلع

(۸۹)

مت مردمکِ دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں — ہیں جمع سویدائے دلِ چشم میں آہیں



مردمک = پتلی *

میری آنکھ کی پتلی میں نگاہیں نہیں بلکہ آنکھ کے دل (پتلی) میں آہیں جمع ہو گئی ہیں۔

(۹۰)

برشگالِ گریۂ عاشق ہے دیکھا چاہئے — کھل گئی مانندِ گل سو جا سے دیوارِ چمن

گریۂ عاشق کی برسات ہے۔ دیکھئے کیا باغ کی دیوار قائم رہتی ہے؟ کیونکہ دیوارِ چمن تو گلِ صد برگ کی طرح شق ہے۔

اُلفتِ گل سے غلط ہے دعویٔ وارستگی — سرو ہے باوصفِ آزادی گرفتارِ چمن

یہ دعویٰ غلط ہے کہ پھولوں کی محبت سے کوئی آوارہ مزاج نہیں۔ سرو کو دیکھئے آزاد ہے لیکن محبتِ گلستان میں گرفتار ہے۔

(۹۱)

عشق تاثیر سے نومید نہیں — جاں سپاری شجرِ بید نہیں

عشق میں کشش ہے اور تاثیر سے خالی نہیں ہے۔ جان فدا کرنے سے ڈرتا ہے۔ بید کی طرح نہیں جس میں کوئی پھل نہیں آتا۔

سلطنت دست بدست آئی ہے — جامِ مے خاتمِ جمشید نہیں

جام ایک سلطنت کی طرح اب تک منتقل ہوتا رہا ہے۔ خاتمِ جمشید نہیں جس پر صرف جمشید کا نام ہی کندہ تھا۔

ہے تجلی تری سامانِ وجود — ذرہ بے پرتوِ خورشید نہیں

پرتوِ خورشید = نورِ آفتاب *

جس طرح ذرہ کی چمک دمک صرف نورِ آفتاب پر منحصر ہے اُسی طرح ہمارا وجود ہستیِ مطلق کے وجود پر مبنی ہے۔

رازِ معشوق نہ رسوا ہو جائے        ورنہ مرجانے میں کچھ بھید نہیں

مرنے میں نہ کوئی راز ہے اور نہ مشکل ہے۔ صرف اتنا ضرور ہے کہ اس سے عشق کا راز فاش ہونے سے معشوق بدنام ہو جائے گا۔

گردشِ رنگِ طرب سے ڈر ہے        غمِ محرومیٔ جاوید نہیں

زمانۂ عیش کا زوال میرے لئے سوہانِ روح ہے اس لئے محرومیٔ جاوید کا فکر نہیں ہے۔

کہتے ہیں جیتے ہیں اُمید پہ لوگ        ہم کو جینے کی بھی اُمید نہیں

دُنیا تو اُمید پہ قائم ہے اور ہماری یہ حالت کہ اُمید ہمیں مار ڈالے گی۔

(۹۴)

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں        خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

تیرے نقشِ قدم ہیں وہ بہار ہے کہ جس طرف دیکھیں باغِ ارم کی کیاریاں ہی کیاریاں نظر آتی ہیں۔

دل آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے        سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں

دہن کے خال سے ہم ملکِ عدم کی سیر کرتے ہیں۔ کیونکہ دہن بے نشان کے داغ پہ مرتے ہیں۔

ترے سرو قامت سے اک قدِ آدم        قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

قیامت کا فتنہ تیرے سرو قامت سے کم ہے۔

تماشا کر اے محوِ آئینہ داری        تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

اے آئینہ داری میں محو ہم تجھے کس تمنا سے دیکھ رہے ہیں۔ یعنی اے نمائش پرست ذرا ہماری طرف بھی دیکھ کہ کس شوق سے ہم تیرے طالبِ دیدار ہیں۔



سراغِ تفِ نالہ داغِ دل سے        کہ شب رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

اگر میرے نالوں کی گرمی سے واقف ہونا چاہتے ہو تو میرے داغِ دل سے اس کا اندازہ کر لو۔ جو اس کا پورا پتہ دیتے ہیں۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ        تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

ہم فقیری لباس میں اہلِ کرم کی بخشش کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔

(۹۳)

ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں        کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

معشوق میں برافروختہ ہونے کی عادت ہے اور آگ میں بھی یہی صفت ہے اس لئے آگ کے عذاب میں مجھے راحت ملتی ہے۔

کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں        شبہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

زندگی کا حساب کرتے ہوئے جدائی کی راتوں کو ملا کر حساب نہیں کر سکتا کیونکہ ہجر کی ایک ایک رات ہزار ہزار برس سے بڑی ہے۔

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر        آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

محبوب نے خواب میں تشریف لانے کا وعدہ کیا تو انتظار میں عمر بھر نیند ہی نہ آئی تاکہ خواب میں دیدار نہ ہو جائیں۔

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں        میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

قاصد کے آنے تک ایک اور خط لکھ دوں کیونکہ اُن کے جواب کی نسبت علم ہے کہ وہ کچھ بھی تحریر نہیں کریں گے۔

مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام        ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

ساقی نے شراب میں زہر نہ ملا دیا ہو ورنہ خلافِ معمول آج مجھے شراب نہ دیتا۔

**جو منکرِ وفا ہو فریب اُس پہ کیا چلے　　کیوں بدگماں ہوں دوست سے دشمن کے باب میں**

میرا معشوق فریب وفا ہے اُس پر کسی کا فریب نہیں چل سکتا اور دوست سے میری یہ بدگمانی ہے کہ وہ دشمن کا دوست ہے۔

**میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے　　ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں**

میرا اضطراب اس لئے ہے کہ کہیں وصل کی گھڑیوں میں ہی رقیب کمبخت نہ آجائے۔ تم کیوں وہم میں پیچ و تاب کھا رہے ہو۔ کیا مجھ سے زیادہ بے چین ہو۔

**میں اور حظِ وصل خدا ساز بات ہے　　جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں**

قدرتِ الٰہی سے مجھے حظِ وصل حاصل ہو گیا اس کے شکریہ میں جان عزیز نذر کرنے لگا تھا مگر اضطراب میں وہ بھی بھول گیا ہوں۔

**تیوری چڑھی ہوئی ہے جو اندر نقاب کے　　ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں**

نقاب پہ جو سلوٹ پڑی ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معشوق کے ماتھے پر شکن پڑی ہے اور وہ ناراض ہے۔

**لاکھوں لگاؤ ایک چُرانا نگاہ کا　　لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں**

تیرا ایک بار نگاہ کا چرانا لاکھوں لگاوٹ پنے میں پنہاں رکھتا ہے۔ اور تیرے غصہ سے ایک بار بگڑنے میں لاکھوں بناوٹیں موجود ہیں۔

**وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے　　جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں**

میری آہ و زاری آفتاب میں شگاف پیدا کرنے والی ہے۔ اُس میں دل کی سی نرمی کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

**وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے　　جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں**

واحسرتا کہ وہ سحر خیزی جس میں سفینۂ شراب رواں ہوتا تھا اس سے بھی میرا مدعا طلبی میں کوئی کام نہ نکلا۔



**غالبؔ چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی　　پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں**

میں نے شراب خوری چھوڑ دی ہے لیکن اب بھی کبھی چاندنی رات یا برسات میں پیا کرتا ہوں۔ یہ سب گردشِ روزگار کی وجہ سے ہے۔

(۹۴)

**کل کے لئے کر آج نہ خست شراب میں　　یہ سوءِ ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں**

قیامت کے خوف سے شراب دینے میں خست نہ کر۔ کیونکہ اس سے ساقیِ کوثر (مراد حضرت محمد صاحب) کی شان میں سوءِ ظن پیدا ہوتا ہے یا آج ہی شراب پلا دے کل ساقیِ کوثر پلائیں گے۔

**ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند　　گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں**

آج ہم اس قدر ذلیل کیوں ہیں۔ کل ذاتِ باری جب انسان کو بنا رہے تھے تو فرشتوں نے حجت کی تھی تو حکم ہوا چپ رہو تم اس بھید کو نہیں جانتے کیا اسی لئے آج فرشتے زباں بند کئے ہوئے خاموش ہیں!

**جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع　　گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں**

اگر چنگ و رباب میں محبوب کی آواز سمائی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کو سن کر جان ہوا ہونا چاہتی ہے۔ نہ کہ گداز۔

**رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے　　نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں**

میری عمرِ رواں کا چست گھوڑا بے تحاشا دوڑتا جا رہا ہے حالت اضطرابی سے نہ حلقۂ رکاب میں پاؤں جمتے ہیں نہ باگ پہ میرا ہاتھ پڑتا ہے۔ بے اختیار ہوں۔

**اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے　　جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں**

پیچ و تاب = متحیر

چونکہ بجز ذات بسیط کے اور کوئی شے موجود نہیں اس لئے انسان دُنیا کی دیگر مستقل ہستیوں کی زیادہ کھوج کرنے پر بھی اصل حقیقت سے بیگانہ ہوتا جاتا ہے۔ یہی میرے حسب حال ہے۔

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے     حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

جب سارے عالم میں ایک ہی ذات موجود ہے اور تماشا اور تماشائی ایک ہی چیز ہیں تو پھر مشاہدہ کے کیا معنی۔ کیونکہ مشاہدہ شاہد و مشہود چاہتا ہے۔

ہے مشتمل نمود صور پر وجود بحر     یاں کیا دھرا ہے قطرہ موج و حباب میں

صور = جمع صورت ٭

جس طرح قطرہ و موج و حباب فی نفسہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ سمندر اور دریا کے مظاہر ہیں اسی طرح دنیا ذات بسیط کے مختلف مظاہرات کا مجموعہ ہے۔

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی     ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

شرم معشوقانہ ادا ہے اور نہ ہو تو اپنے آپ سے شرم کیا جائے ہم اگرچہ حجاب میں ہیں مگر بے حجاب ہونا بھی ایک ادائے معشوقانہ ہے۔

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز     پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

ایک عالم اس کا عاشق ہے۔ اُسے آرائشِ جمال سے فراغت نہیں کیا اس نے پس پردہ آئینہ کاری چھوڑ رکھی ہے؟

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود     ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

جسے ہم شہود سمجھتے ہیں وہ سب غیب ہے اور اس کے سمجھنے کی مثال ایسی ہے کہ ہم خواب میں جاگتے ہیں مگر بیداری نہیں ہے۔

غالبؔ ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست     مشغول حق ہوں بندگیٔ بوتراب میں

دوست کے ندیم سے مجھے دوست کی خوشبو آتی ہے اسی نے حضرت علی کی بندگی میں مصروف ہوں کیونکہ اس سے رسول مقبول کی خبر ملتی ہے۔

(۹۵)

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں     مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

محبت میں دل و جگر دونوں کو ہاتھ سے دینا پڑتا ہے۔ حیران ہوں کہ دل کو روؤں یا جگر کو پیٹوں اتنی طاقت نہیں اس لئے نوحہ گر کو ساتھ رکھ لوں تاکہ ایک کا ماتم میں کروں اور ایک کا وہ۔

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں     ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

تیرے گھر جانا چاہتا ہوں مگر اس خیال سے کہ جس سے پتہ دریافت کروں وہ رقیب نہ بن جائے پتہ دریافت نہیں کرتا۔ ہر ایک سے دریافت کرتا ہوں کہ کدھر جاؤں۔ اس طرح پتہ کیا خاک ملے گا؟

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار     اے کاش جانتا نہ تری رہگزر کو میں

مجھے خبر نہیں تھی کہ تو زیادہ تر رقیب کے گھر پر رہتا ہے۔ اگر مجھے اس کا پتہ نہ ہوتا تو ذلت اُٹھانے سے بچ رہتا۔ افسوس!

ہے کیا جو کس کے باندھئے میری بلا ڈرے     کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

جب تیری کمر ہے ہی نہیں تو میرے لئے کس کو کمر باندھنے پر مستعد ہونے کا خیال کیسا؟ میں آپ کی کمر کو جانتا ہوں۔

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے     یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

ہم بے ننگ و نام ہوتے تو وہ بھی کہنے لگے کہ یہ ننگ و نام ہے اگر یہ پتہ ہوتا تو ہم اپنا گھر کس لئے تباہ کرتے۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ     پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

دیوانگی سے یہ حالت ہے کہ اپنے رہبر کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ ہر ایک

تیز گام کو اسی طرف جانے والا خیال کرتا ہوں لیکن جب اس کی منزل کی خبر ملتی ہے تو لوٹ آتا ہوں۔

خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار — کیا پوجتا ہوں اس بت بیداد گر کو میں

اپنانے والے میری خواہش کو دیکھ کر دھوکہ کھایا۔ جو اُسے پرستش کہتے ہیں۔ شاعر نیاز پرستش میں اتنا مستغرق ہے کہ اُسے پرستش اور خواہش کی حد کا بھی پتہ نہیں ہے۔

پھر بیخودی میں بھول گیا راہ کوئے یار — جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں

میں اپنے دل کو تو کوئے یار میں چھوڑ آیا اب بیخود ہوں۔ اُس کی گلی کا راستہ نہیں جانتا تیرے دل کی کیا پوچھتے ہو۔

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا — سمجھا ہوں دلپذیر متاع ہنر کو میں

اپنے آپ پر دنیا والوں کا قیاس کر رہا ہوں۔ جیسا میں متاع ہنر وشی کا دلدادہ ہوں ایسے ہی اہل دنیا بھی ہوں گے۔

غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز — دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں

خدا کرے کہ علی بہادر عالی گوہر کو سمند ناز گھوڑے پر سوار دیکھوں۔

(۹۶)

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں — غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

میرا ذکر وہ بُرائی سے بھی نہیں سُننا چاہتا۔ میرا رقیب اس کو میری بُرائی کہتا رہتا ہے۔ عجب نہیں کہ اُس کا وہ بھی دشمن ہو جائے۔

وعدۂ سیرِ گلستاں ہے خوشا طالعِ شوق — مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں

اُس کے سیر گلستان کے وعدہ میں درپردہ میرا قتل مقصود ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ایسا ہو جائے اور میرا مقدر جاگ اُٹھے۔



شاہدِ ہستیِ مطلق کی کمر ہے عالم — لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

شاہد ہستی مطلق = باری تعالیٰ ہے یہ کلمہ ایجاب ہے

شاعرانہ مبالغہ کے ساتھ کمال غلو سے کام لیا ہے۔ کہ لوگ عالم کو معشوق حقیقی کی کمر قرار دیتے ہیں۔ اور معشوق کی کمر چونکہ معدوم ہوتی ہے اس لئے عالم بھی معدوم ہے۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن — ہم کو تقلید تنک ظرفیِ منصور نہیں

نفس الامر سے ہر ایک شخص انا الحق کہہ سکتا ہے۔ لیکن اس راز کو برسرِعام کہنا تنگ ظرفی ہے۔

حسرت اے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی — عشقِ پُر عربدہ کی گوں تنِ رنجور نہیں

اے ذوق خرابی! افسوس کہ اب مجھ میں وہ طاقت باقی نہیں رہی جو عشق جیسے نبرد آزما پہلوان سے دو دو ہاتھ کروں۔

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں — کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

میں جو کہتا ہوں کہ تمہیں ہم قیامت کو حاصل کر لیں گے۔ تو وہ کس شوخی سے کہتا ہے کہ کیا ہم حور ہیں جو قیامت کو مل جائیں۔

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو — تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

اگر لطف مہربانی میں تجھے خود تکلیف ہے تو ظلم ہی کر کیونکہ تغافل سے دونوں باتیں کر سکتا ہے۔

صاف دُردی کشِ پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ — وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں

ہم شراب نوشی میں جمشید کے پیرو ہیں۔ اور اگر انگوری شراب نہ ہو تو ہم پیتے ہی نہیں ہیں۔

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب — میرے دعوی پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

میں مشہور ہونے میں ظہوری کا مستقابل ہوں۔ میرے معروف ہونے پر مزید بحث کی احتیاج نہیں۔

(۹۷)

نالہ جز حسنِ طلب اے ستم ایجاد نہیں　　ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

اے ستم ایجاد! میں جو تیرے ظلم و ستم پہ روتا ہوں۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ تو مجھ پہ اور ظلم و ستم کرے اور خفا ہو کیونکہ میرا رونا ظلم و ستم کے شکوہ کے لئے نہیں ہے۔

عشق و مزدوریِ عشرت گہِ خسرو کیا خوب　　ہم کو تسلیم نکو نامیِ فرہاد نہیں

ہم فرہاد کو خسرو کے حکم بمو کرو بے ستون سے نہر نکالنے کی کوشش کو عشق پر دھبہ سمجھتے ہیں۔ اگر اسے عشق کامل ہوتا تو وہ رقیب کے حکم کو مان کر عشرت گاہ کی زینت سے نام پیدا کرنے کی جسارت نہ کرتا۔

کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم　　دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

میرا گھر خرابی میں جنگل سے کم نہیں۔ لیکن وسیع نہیں ہے۔ اس لئے جنگل میں جو عیش مجھے نصیب ہوتا ہے وہ گھر میں نہیں ملتا۔

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب　　لطمۂ موج کم از سیلیِ استاد نہیں

عقلمند طوفانِ حوادثات سے نہیں گھبراتے بلکہ اسے استاد کا تھپیڑ سمجھتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔

وائے محرومیِ تسلیم و بدا حالِ وفا　　جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں

ہم وفا شعاری سے ان کی جفاؤں پر فریاد نہیں کرتے ہمارا شیوۂ تسلیم ہے محروم اور وفا کس قدر بری ہے افسوس!

رنگِ تمکینِ گل و لالہ پریشاں کیوں ہے　　گر چراغانِ سرِ رہگذرِ باد نہیں



اگر گل و لالہ کے راستہ سے ہوا نہیں گذری تو پھر پھولوں کا رنگ پریشان کیوں ہے۔ اور یہ نمائش کیسی؟

سبدِ گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں　　مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

اے مرغِ گرفتار شکر کا مقام ہے کہ تجھے گرفتاری صیاد کی بجائے گلچیں کی اسیری کا فخر حاصل ہوا ہے۔ اسی لئے تجھے پھولوں کے ٹوکرا کے نیچے بند کیا جاتا ہے۔

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا　　دی ہے جائے دہن اس کو دمِ ایجاد نہیں

اس کو دہن کی بجائے نہیں ملی ہے جس سے اثبات کی تراوش ہوتی ہے کہ کوئی چیز موجود ہے جس سے لفظ ادا ہوتا ہے۔

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت　　یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

تیرا کوچہ بہشت کی طرح پُر رونق ہے۔ کیونکہ یہاں کے عاشقوں کا مجمع وہاں کی آبادی سے زیادہ ہے۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بہشت اتنا آباد نہیں ہے۔

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب　　تم کو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہیں

غالب اگر تجھے اربابِ وطن کی دل آزاریاں یاد ہیں تو آج پھر غربت کی شکایت کس منہ سے لئے پھرتے ہو۔

(۹۸)

دونوں جہان دیکے وہ سمجھے یہ خوش رہا　　یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

ہم نے دونوں جہان کے خیال کو اس لئے بیچ سمجھا کہ وہ اس طرح خوش ہو جائے گا۔ مگر شرم آتی ہے کہ اس کا یہ خیال بکرار نہ بگڑ جائے۔

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے　　تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

تیری جلوہ گاہ تک پہنچنے کی کوشش میں کوئی یہاں اور کوئی وہاں تک

کر رہ گیا۔ تجھ تک پہنچنا انسانی طاقت سے بعید ہے۔ ایسا کیونکر ہو سکتا تھا۔ کہ منزل تک رسائی حاصل ہوتی۔

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہلِ بزم　　ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کریں

بزم میں شمع کے خیر خواہ موجود ہیں۔ لیکن وہ مجبور ہیں اس کے غم جانگداز کا کوئی مداوا نہیں کر سکتے۔

(۹۹)

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر　　عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

رقیب نے چرب زبانی سے اُسے مسحور کر لیا ہے اس لئے وہ ہم کو اپنا عاشق نہیں سمجھتا۔

(۱۰۰)

قیامت ہے کہ سُن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا　　تعجب سے وہ بولا یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں

وہ سنگدل عاشق کے جذبِ دل سے اتنا بے خبر ہے کہ لیلیٰ کے لاق کا جنگل میں مجنوں جیسے آوارہ تک پہنچنا اُسے متحیر کر دیتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ کیا دنیا میں ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

دل نازک پہ اُس کے رحم آتا ہے مجھے غالبؔ　　نہ کر سرگرم اُس کافر کو اُلفت آزمانے میں

اے غالب تو جو جان دے کر اُلفت کی آزمائش کرنے لگا ہے ایسا نہ کر۔ شاید اس طرح اُس کے نازک دل کو کوئی صدمہ پہنچے جو میرے جیسے عاشق کو منظور نہیں ہے۔

(۱۰۱)

دل لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا　　بارے اپنی بیکسی کی ہم نے پائی داد یاں

[illegible] ات اکیلے بیٹھے رہتے ہیں۔ اس سے ہمیں اپنی بیکسی کی داد مل گئی ہے کیونکہ ہم بھی اسی طرح پڑے رہتے ہیں۔

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام　　مہرِ گردوں ہے چراغِ رہگزارِ باد یاں

دُنیا کے تمام ذرات آمادہ زوال ہیں۔ اور سورج بھی ہوا میں جلتا ہوا ایک چراغ ہے جو کسی دم کا مہمان ہے۔

(۱۰۲)

ہے ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں　　کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں

ہمارا ہجر یار میں در و دیوار کو دیکھنا بے سبب نہیں ہے۔ ہوا ہے جو شاید دیوار پھاند کر آئے اور دوسرا ہے محبوب کا قاصد جو شاید جلد دروازہ پر پیغام لے کر آ جائے۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے　　کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اُن کا ہمارے گھر آنا قدرت الٰہی ہے اس حیرت میں ہم کبھی اپنے آپ پر نظر ڈالتے اور کبھی گھر کو دیکھتے ہیں۔ کہ بیداری ہے یا عالم خواب۔

نظر لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو　　یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

لوگ میرے زخم جگر کو دیکھ کر قاتل کی چابکدستی کا خیال کرتے ہیں اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس کے دست و بازو کو کسی کی نظر بد نہ لگ جائے۔

ترے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں　　ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

تیری ٹوپی کے جواہرات پر کیا نظر ڈالیں ہم تو اُن جواہرات کے بلند نصیب و اقبال کو دیکھتے ہیں جو تیرے کلاہ تک رسائی پا گئے۔

(۱۰۳)

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں　　شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں

یہ نہیں کہ میں قیامت کا منکر ہوں۔ بلکہ قیامت کی شدت تکلیف کو

شبِ فراق سے کم تکلیف دہ سمجھتا ہوں۔

کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا بُرائی ہے ۔ بلا سے آج گر دن کو ابر و باد نہیں

ابر و باد میں شراب نوشی کا لطف آتا ہے اگر اُن کے نہ ہونے سے بدمزگی آتی ہے تو کیا ہوا اس کا نعم البدل رات کی چاندنی ابر و باد کا لطف دے رہی ہے۔

جو آؤں سامنے اُن کے تو مرحبا نہ کہیں ۔ جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں

وہ عجیب بے التفات ہے کہ نہ جانے پر اُس کے مُنہ سے خیر باد نہ آنے پر خُدا حافظ نکلتا ہے۔

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں ۔ کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں

اول تو یاد ہی کب کریں۔ اگر یاد کریں تو اس طرح جس سے نہ یاد کرنا بہتر ہو۔ کہتے ہیں آج وہ مفسدہ پرداز نہیں آیا۔

علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب ۔ گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہیں

شراب خانہ کے فقیر کو صرف عید ہی پر شراب نہیں ملتی بلکہ باقی دنوں میں بھی کچھ نہ کچھ مل رہتا ہے۔ نامراد نہیں رہنا پڑتا۔

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام ۔ دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

لوگ غم و شادی کو توام کہتے ہیں۔ بیشک ہو۔ ہم تو ہمیشہ کے لئے گرفتارِ غم ہیں اور ہمارا دل کبھی شاد نہیں ہوا۔

تم اُن کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب ۔ یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

غالب تم اُن سے وعدہ کا کیوں ذکر کرتے ہو۔ تمہارے یاد کرانے پر ہم کو یہ سُننا پڑتا ہے اس سے بہتر ہے کہ یاد ہی نہ دلائی جائے۔

(۱۰۴)

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں ۔ ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں



تیرے گھوڑے کو ہوا سے تشبیہ دیتے ہیں اس سے ہمارا مضمون نہایت بہتر ہو جاتا ہے۔

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے ۔ ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

آہ سے کوئی کام نہیں نکل سکتا۔ لیکن ہم ہوا بندی سے مضمون میں آب و تاب پیدا کر دیتے ہیں۔

تیری فرصت کے مقابل اے عمر ۔ برق کو پابہ حنا باندھتے ہیں

اے عمر تیرے مقابلہ میں برق کی کوئی ہستی نہیں۔ تو اس سے زیادہ تیز رو ہے۔

قیدِ ہستی سے رہائی معلوم ۔ اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں

انسانی ہستی باوجودیکہ عدم سے نمودپذیر ہوئی اور پھر معدوم ہو جائے گی لیکن اس ہستی سے آزادی مشکل ہے۔ جس طرح اشک کو بے سرو پا کہا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی اشک ریزی کی جاتی ہے۔

نشۂ رنگ سے ہے واشدِ گل ۔ مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں

مست لوگ بندِ قبا نہیں باندھتے یہی وجہ ہے کہ پھول عالمِ مستی میں شگفتہ ہو رہا ہے۔

غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ ۔ لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

شاعروں کی غلطیوں کا کیا کہنا۔ نالہ باوجودیکہ عینِ ضعف اور معدوم ہے اس کو بھی رسا باندھتے ہیں۔

اہلِ تدبیر کی واماندگیاں ۔ آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

عقلمندوں کی واماندگیاں دیکھئے پاؤں پر چھالا پڑنے پر حنا باندھتے ہیں۔ اور وہ نہیں جانتے کہ آوارگانِ عشق کا علاج اس کے برعکس ہے۔

سادہ پرکار ہیں خوباں غالب ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

معشوق بھی عجیب ہوشیار ہے۔ جو ہم سے بے وفائی کے لئے پیمان وفا باندھتا ہے۔ اور پیمان وفا باندھ کر دل لگی کرتا ہے۔

(۱۰۵)

زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسدؔ وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

زمانہ جو غالب پر مصائب ڈھا رہا ہے وہ اس کی آرزوؤں کے مقابلہ میں کم ہیں۔ وگرنہ ہمیں تو اس سے زیادہ تکلیف کی امید ہے۔

(۱۰۶)

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

ایسی زندگی پہ خاک پڑے کہ میں پتھر نہیں ہوں۔ کیا ہی اچھا تھا کہ پتھر کی صورت میں تیرے سنگ آستان پہ ہمیشہ پڑا رہتا (غور کرنے سے متعدد معانی پیدا ہوتے ہیں)

کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

میں پیالہ و ساغر نہیں انسان ہوں۔ شبانہ روز کی گردش سے کیوں نہ گھبرا جاؤں۔

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں

اے خدا میں کوئی حرف مکرر نہیں ہوں۔ جو غلطی سے لکھا گیا ہو۔ پھر زمانہ میرے مٹانے پر کیوں آمادہ ہے۔

حد چاہئے سزا میں عقوبت کیواسطے آخر گنہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

ہر ایک گناہ کی سزا مقرر ہوتی ہے۔ میں گناہ گار ہوں۔ کافر نہیں جس کی سزا کی کوئی حد ہی مقرر نہیں ہوتی۔

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

اگر تم زر و گوہر سے مستغنی ہو تو مجھے عزیز رکھو۔ کیونکہ میں تمہارا عاشق ہوں۔

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ رتبہ میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

میں مہر و ماہ کے رتبہ سے کم نہیں کیونکہ آپ کی قدم بوسی کی تمنا رکھتا ہوں پھر آپ کے قدم کیوں میری آنکھوں سے گریز کرتے ہیں۔

کرتے ہو مجھ کو منع قدمبوس کس لئے کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

میں کیا آسمان کے برابر بھی نہیں ہوں حالانکہ اس سے میرا رتبہ بلند ہے پھر مجھے کیوں قدم بوسی نہیں کرنے دیتے؟

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

غالب وہ دن گئے اب تو تم بادشاہ کے وظیفہ خوار ہو۔ شاہ عالم پناہ کو دعائیں دو جس نے تمہارا وظیفہ مقرر کیا۔

(۱۰۷)

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

فلک ستم کش نے بے حد و حساب دلکش صورتیں تہ خاک کر ڈالیں۔ لالہ و گل کی صورت دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ وہی صورتیں جو مٹ گئی تھیں اب اس انداز سے ظاہر ہو رہی ہیں۔

یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہوگئیں

کوئی زمانہ تھا جب ہم کو بزم آرائی کا شوق تھا مگر اب وہ سب ہوا ہو گیا اور ہماری بزم آرائیاں طاق نسیاں کی زینت کو دوبالا کر رہی ہیں۔

تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں شب کو انکے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہوگئیں

نبات النعش = سات ستارے ہیں

نبات النعش دن کو آسمان کے پردہ میں پنہاں تھیں مگر شب کو معلوم نہیں کیوں نمایاں ہو گئیں۔

قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر — لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

اگرچہ قید میں یوسف کی یعقوب نے کوئی خبر نہ لی۔ لیکن جذب شوق سے آنکھیں دیوار زنداں میں روزن بن گئیں جس سے اُن کا چہرہ ہر وقت دیکھتے رہتے تھے۔

سب رقیبوں سے ہیں ناخوش پر زنانِ مصر سے — ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

دنیا کے عاشق رقیبوں کے شاکی رہتے ہیں لیکن زلیخا اپنے رقیبوں سے خوش ہے کہ وہ یوسف کے جمال میں اس قدر محو ہوئیں کہ ترنج کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق — میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

تم شام فراق میں مجھے اشک ریزی سے منع نہ کرو۔ اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو میں سمجھوں گا کہ میری آنکھیں دو شمعیں بن کر روشن ہو رہی ہیں۔

ان پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام — قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں

جن پری زادوں پر عاشق ہو اگر جنت میں یہ حوریں بن گئیں تو ان کے ظلم کا خوب بدلہ لیں گے۔

نیند اُس کی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُس کی ہیں — تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

جس کا تو محو خواب ہے اس کو سونے میں مزا آتا ہے دماغ عرش اعلےٰ پر ہے اور راتیں آرام کے لئے ہیں جس کے بازو پر خواب کی حالت میں تیری زلفیں بکھری ہوئی ہیں۔

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا — بلبلیں سُن کر مرے نالے غزلخواں ہو گئیں

میرے چمن میں جانے سے گویا مکتب کھل گیا اور بلبلوں نے مجھے دیکھ کر نغمہ سنجی شروع کر دی۔ کیونکہ میں انہیں عاشقی میں ہم جنس مل گیا ہوں۔

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار — جو مری کوتاہیِ قسمت سے مژگاں ہو گئیں

میری بدقسمتی یہ رنگ لائی کہ محبوب کی تیر جیسی نگاہوں کو مژگان بنا دیا وہ تو تلوار کی طرح تھیں جس کے وار سے دل کے ٹکڑے ہونے چاہئے تھے۔ تاکہ میں جلد فنا ہو جاتا۔

بس کہ روکا میں نے اور سینے میں اُبھریں پے بہ پے — میری آہیں بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

میں نے اُبھرتی ہوئی آہوں کو بار بار روکا جس سے میری آہیں سینہ میں رشتہ بخیہ بن کر پیچیدہ ہو گئیں۔

واں گیا بھی میں تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب — یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں

اگر میں بزم میں پہنچ بھی گیا تو ان کی گالیوں کا کیا جواب دوں گا؟ کیونکہ گالیاں کھا کر ساری دعاؤں کا اثاثہ تو دربان کے سپرد کر آیا ہوں۔ اب کوئی دعا باقی نہیں رہی جو اس کو دوں۔

جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آ گیا — سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں

جس کے ہاتھ میں جام شراب آ گیا وہی اُس کے لئے جان افزا ہے۔ اور اس کے ہاتھ کی ساری لکیریں گویا حیات مستعار کی طرح رگِ جان بن گئیں۔

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم — ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

ہم توحید باری کے قائل ہیں اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ تمام ملتوں اور سب رسوم کو ترک کر کے ذات حق کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ جیسے جیسے ملتوں کو مٹاتے جائیں گے رسوم و قیود مٹ کر توحید کو پختگی ملتی جائے گی۔

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج     مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

ایک کام جو آغاز عمل میں نہایت تکلیف دہ و ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ عادت ڈالنے سے رفتہ رفتہ خوشگوار معلوم ہونے لگتا ہے اسی طرح مجھ پر اتنی مشکلیں پڑیں کہ وہ مشکلیں نہیں رہیں۔ بلکہ آسان ہو گئی ہیں۔

یوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہل جہاں     دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

غالب اگر اسی طرح اشک ریز رہا تو اس کے رونے کی تاثیر سے بستیاں ویراں ہو جائیں گی۔ اور لوگ اس کا رونا سننے کے لئے گھر بار چھوڑ کر بھاگ آئیں گے۔

(۱۰۸)

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں     یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں

دیوانگی کا یہ عالم کہ گریباں چاک کر دیا ہے اور اس میں ایک تار بھی باقی نہیں رہا جس سے لوگوں کو زنار کا خیال گزرے۔

دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے     دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں

دل کو دیدار کی تمنا میں مٹا دیا۔ لیکن اب اتنی طاقت نہیں رہی کہ اس کا دیدار پانے کی جرات کریں۔

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے     دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

اگر تیرا دیدار آسان نہیں تو دشوار ہونا چاہئے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ تیرا ملنا دشوار نہیں بلکہ ناممکن الوقوع ہے۔

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں     طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں

بغیر عشق رہا نہیں جاتا۔ حالت یہ ہے کہ لذت آزار بھی برداشت نہیں کر سکتے اور عمر بغیر اس کے گذرنی مشکل ہے۔



شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سر وبال دوش     صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

جنون کے جوش میں کوئی علاج نہیں ہو رہا۔ اگر صحرا میں کوئی دیوار ہوتی تو اس سے سر پھوڑ کر بار غم سے نجات حاصل کر لیتا۔

گنجائش عداوت اغیار اک طرف     یاں دل میں ضعف سے ہوس یار بھی نہیں

دشمنوں کی عداوت کی گنجائش کا ذکر جانے دو یہاں تو دل اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ اس میں اب ہوس یار بھی باقی نہیں رہی اور آرزوئے وصال یار برداشت نہیں کی جا سکتی۔

ڈر نالہ ہائے زار سے میرے خدا کو مان     آخر نوائے مرغ گرفتار بھی نہیں

خدا کا خوف کر میری گریہ زاری سے ڈر۔ میرے مرغ گرفتار کی وہ آواز نہیں جو اثر ہی نہیں رکھتی۔

دل میں ہے یار کی صف مژگاں سے روکشی     حالانکہ طاقت خلش خار بھی نہیں

دل کے ضعف کی یہ حالت ہے کہ اس میں صدمہ اٹھانے کی طاقت نہیں رہی لیکن مژگان یار مقابلہ کے لئے تیار ہیں۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا     لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

سادگی کا یہ عالم کہ مجھ سے لڑنے کو آتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار نہیں کیا اس حالت میں سادگی ہی ان کے تلوار کے کاٹ کرے گی؟

دیکھا اسدؔ کو خلوت و جلوت میں بارہا     دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

اسد کو ظاہر و باطن میں کئی بار دیکھا ہے۔ اگرچہ وہ دیوانہ معلوم نہیں ہوتا۔ مگر ہوشیار بھی نہیں کہہ سکتے۔ پریشان حال ضرور ہے۔

(۱۰۹)

نہیں ہے زخم کوئی بخیے کے در خور مرے تن میں     ہوا ہے تار اشک یاس رشتہ چشم سوزن میں

میرے جسم کا کوئی زخم ٹانکوں کے قابل نہیں ہے۔ اس لئے بخیہ گر کی سوئی میرے حال پر روتی ہوئی نا اُمیدی کے آنسو بہاتی ہے۔ اور جس کے متواتر رونے سے ایک تار کی صورت نمودار ہو گئی ہے۔

ہوئی ہے مانعِ ذوقِ تماشا خانہ ویرانی کفِ سیلاب باقی ہے برنگِ پنبہ روزن میں

میرے رونے سے گھر میں آنسوؤں کا سیلاب بہہ اُٹھا اور اب روزن میں کفِ سیلاب روئی کی طرح موجود ہے جس سے لذتِ تماشا باقی نہیں رہی۔

ودیعت خانۂ بیدادِ کاوش ہائے مژگاں ہوں نگیں نامِ شاہد ہے مرا ہر قطرہ خوں تن میں

میرے خون کے ہر قطرہ پر معشوق کے امانت ہونے کا نام کندہ ہے اس لئے میرا جسم بیدادِ کاوش ہائے مژگان کا امانت خانہ بن گیا ہے۔

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی شبِ مہ ہو جو رکھ دوں پنبہ دیواروں کے روزن میں

میرے ظلمت کدہ کا کون حال بیان کر سکتا ہے اگر اس کی دیواروں کے روزن میں پنبہ رکھیں تو اس سے بھی چاندنی چھوٹ نکلے اور ایک اونے سی سفیدی بھی تعجب نہ انگل کھلا ڈالے۔

نکوہش مانعِ بے ربطیِ شورِ جنوں آئی ہُوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن میں

میرے احباب کا دیوانگی میں ملامت کرنا تھا کہ شورِ جنوں میں ربط آ گیا اور اس کا تمسخر میرے جیب و گریباں میں بخیہ کا سبب بن رہا ہے۔

ہوئے اُس مہر وش کے جلوۂ تمثال کے آگے پر افشاں جوہر آئینہ میں مثلِ ذرہ روزن میں

اُس مہروش کے جلوہ ریز ہونے سے جوہرِ آئینہ اس طرح پر افشاں ہوا جس طرح شعاعِ آفتابی میں روزن سے ذرات اُڑتے ہیں۔

نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں

میں نہیں جانتا کہ بھلا ہوں یا بُرا۔ لیکن یہ سمجھتا ہوں کہ اگر گل ہوں تو



صحبت گلخن ہے۔ اور اگر خس ہوں تو گویا گلشن میں ہوں یہی صحبت محبوب میرے حسب حال نہیں ہے۔

ہزاروں دل دئے جوشِ جنونِ عشق نے مجھ کو سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں

جوشِ جنوں سے میرے جسم کا ہر ایک خون کا قطرہ سویدا بن گیا جیسے سینکڑوں دل مل گئے ہیں۔ اور ہر دل میں محبوب کی یاد ہے۔

اسدؔ زندانیِ تاثیرِ الفت ہائے خوباں ہوں خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

اسد میں تو حسینوں کی تاثیرِ الفت کا اسیر ہوں۔ اور ان کا دستِ کرم جو میری گردن پہ ہے وہ میری گردن کے لئے طوق بن گیا ہے۔

(۱۱۰)

مزہ جہاں کے اپنی نظر میں خاک نہیں سوائے خونِ جگر سو جگر میں خاک نہیں

دُنیا کے پُرلطف کھانوں سے مجھے لذت نہیں آتی۔ اور سوائے جگر کے خون کے کوئی شے اچھی نہیں لگتی مگر اب تو وہ بھی باقی نہیں رہا۔

مگر غبار ہوئے پر ہوا اُڑا لے جائے وگرنہ تاب و تواں بال و پر میں خاک نہیں

ہمارے دست و بازو میں طاقت نہیں کہ کوچہ محبوب تک پہنچ سکوں۔ شاید مرنے پر ہماری خاک کو ہوا اُڑا کر وہاں لے جائے۔

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے کہ غیرِ جلوۂ گل رہگذر میں خاک نہیں

یہ کونسا بہشت شمائل آج باغ میں سیر کر رہا ہے۔ کہ سوائے پھولوں کے راستہ میں اور کچھ ہے ہی نہیں۔

بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا اثر مرے نفسِ بے اثر میں خاک نہیں

اگر اُسے مجھ پہ ترس نہیں آتا تو مجھے ہی اپنی حالت زار پہ رحم آتا۔ مگر حالت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ نہ وہ مانتا ہے اور نہ دل میں اب کوئی اثر باقی ہے۔

میرے جسم کا کوئی زخم ٹانکوں کے قابل نہیں ہے - اس لئے بخیہ گر کی سوئی میرے حال پر روتی ہوئی نا اُمیدی کے آنسو بہاتی ہے - اور جس کے متواتر رونے سے ایک تار کی صورت نمودار ہو گئی ہے -

ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی       کف سیلاب باقی ہے برنگ پنبہ روزن میں

میرے رونے سے گھر میں آنسوؤں کا سیلاب بہہ اُٹھا اور اب روزن میں کف سیلاب روئی کی طرح موجود ہے جس سے لذت تماشا باقی نہیں رہی -

ودیعت خانۂ بیداد کاوشہائے مژگاں ہوں       نگین نام شاہد ہے مرا ہر قطرہ خوں تن میں

میرے خون کے ہر قطرہ پر معشوق کے امانت ہونے کا نام کندہ ہے اس لئے میرا جسم بیداد کاوشہائے مژگان کا امانت خانہ بن گیا ہے -

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی       شب مہ ہو جو رکھ دوں پنبہ دیواروں کے روزن میں

میرے ظلمت کدہ کا کون حال بیان کر سکتا ہے اگر اس کی دیواروں کے روزن میں پنبہ رکھیں تو اس سے بھی چاندنی پھوٹ نکلے اور ایک اونے اسی سفیدی بھی تو سب ذرا گل کھلا ڈالے -

نکوہش مانع بے ربطی شور جنوں آئی       ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن میں

میرے احباب کو دیوانگی میں ملامت کرنا تھا کہ شور جنوں میں ربط آ گیا اور اس کا تمسخر میرے جیب و گریبان میں بخیہ کا سبب بن رہا ہے -

ہوئے اُس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے       پرافشاں جوہر آئینے میں مثل ذرہ روزن میں

اُس مہروش کے جلوہ ریز ہونے سے جوہر آئینہ اس طرح پرافشاں ہوا جس طرح شعاع آفتابی میں روزن سے ذرات اُڑتے ہیں -

نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے       جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں

میں نہیں جانتا کہ بھلا ہوں یا بُرا - لیکن یہ سمجھتا ہوں کہ اگر گل ہوں تو صحبت گلخن سے - اور اگر خس ہوں تو گویا گلشن میں ہوں یہی صحبت محبوب میرے حسب حال نہیں ہے -

ہزاروں دل دیے جوش جنون عشق نے مجھ کو       سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں

جوش جنوں سے میرے جسم کا ہر ایک خون کا قطرہ سویدا بن گیا ہے سینکڑوں دل مل گئے ہیں - اور ہر دل میں محبوب کی یاد ہے -

اسدؔ زندانی تاثیر الفتہائے خوباں ہوں       خم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

اسد میں تو حسینوں کی تاثیر الفت کا اسیر ہوں - اور ان کا دست کرم جو میری گردن پر ہے وہ میری گردن کے لئے طوق بن گیا ہے -

(۱۱۰)

مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں       سوائے خون جگر سو جگر میں خاک نہیں

دُنیا کے پُرلطف کھانوں سے مجھے لذت نہیں آتی - اور سوائے جگر کے خون کے کوئی شے اچھی نہیں لگتی مگر اب تو وہ بھی باقی نہیں رہا -

مگر غبار ہوئے پر ہوا اُڑا لے جائے       وگرنہ تاب و تواں بال و پر میں خاک نہیں

ہمارے دست و بازو میں طاقت نہیں کہ کوچہ محبوب تک پہنچ سکوں - شاید مرنے پر ہماری خاک کو ہوا اُڑا کر وہاں لے جائے -

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے       کہ غیر جلوۂ گل رہگذر میں خاک نہیں

یہ کونسا بہشت شمائل آج باغ میں سیر کر رہا ہے - کہ سوائے پھولوں کے راستہ میں اور کچھ ہے ہی نہیں -

بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا       اثر مرے نفس بے اثر میں خاک نہیں

اگر اُسے مجھ پہ ترس نہیں آتا تو مجھے ہی اپنی حالت زار پہ رحم آتا - مگر حالت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ نہ وہ مانتا ہے اور نہ دل میں اب کوئی اثر باقی ہے -

خیالِ جلوۂ گل سے خراب ہیں مے کش — شراب خانے کے دیوار و در میں خاک نہیں

شراب خانہ کی شراب شرابخوشوں نے ختم کر ڈالی اور میکشوں کی آنکھوں میں نشہ کی ترنگوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ — سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں

عشق کی لوٹ مار سے میں بہت خوار ہوا۔ اب گھر میں ادھیڑ بن کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا تاکہ وہ اُسے خراب کرے۔

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسدؔ — کھلا کہ فائدہ عرضِ ہنر میں خاک نہیں

ہمارے شعر دل لگی کا مشغلہ ہیں۔ کیونکہ زمانہ کی ناقدری سے معلوم ہو گیا ہے کہ ہنرمندی دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

(۱۱۱)

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں — روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

ہمارے سینہ میں دل ہے پتھر نہیں۔ جو ستاؤ۔ تو پھوٹ نہ پڑے۔ ہم ہزار دل بار روئیں گے۔ کوئی ہمارا دل دُکھا تو دیکھے۔

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں — بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم غیر ہمیں اُٹھائے کیوں

دیر میں نہیں بیٹھے کیونکہ ہم مسلمان نہیں۔ نہ مشرب کا کعبہ میں ٹھکانا نہیں۔ تم ہم سے نفرت کرتے ہو در پہ رسائی کیسے ہو۔ پیشانی سجدہ کے قابل نہیں۔ اس لئے اب سرِ راہ آ بیٹھا ہوں۔ یہاں سے ہمیں کوئی اُٹھا نہیں سکتا۔

جب وہ جمالِ دلفروز صورتِ مہرِ نیمروز — آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں منہ چھپائے کیوں

جب اُس جمالِ افروز کے دیکھنے کی بینائی میں طاقت نہیں۔ تو پھر اُس کے بے پردہ ہونے میں کونسا امر مانع ہے۔

دشنۂ غمزہ جانستان ناوکِ ناز بے پناہ — تیرا ہی عکسِ رخ سہی سامنے تیرے آئے کیوں



تیرے غمزہ اور ناز کو تیر و خنجر جان لینے میں کیا عار ہے۔ تیرے سامنے کسی کو نہ آنا چاہئے خواہ وہ تیرا عکس ہی کیوں نہ ہو۔

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں — موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

یہ ناممکن ہے کہ انسان زندہ رہے اور غم و الم میں گرفتار نہ ہو۔ کیونکہ غم اور حیاتِ انسانی مترادف ہیں۔

حسن اور اس پہ حسنِ ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم — اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں

میرے محبوب میں حسن اور حسنِ ظن برابر ہیں۔ اور اُسے اپنے آپ پر اعتماد ہے اسی لئے رقیب کو آزمائش کی ضرورت نہ پڑی۔ اور ہوس پرست کی شرم رہ گئی۔

واں وہ غرورِ عز و ناز یاں یہ حجابِ پاسِ وضع — راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں

وہ مغرور ناز کی وجہ سے ہم کو مجلس میں بلاتا ہی نہیں۔ ہم کو اپنی وضع کا پاس اور حجاب و غیرت مانع آتی ہے اسی لئے وہاں جاتے نہیں تاکہ ایسا نہ ہو وہ راستہ میں ہی مل جائے۔

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی — جس کو ہو دین و دل عزیز اُس کی گلی میں جائے کیوں

اچھا محبوب بے وفا ہی سہی وہ کسی کو بلانے نہیں آیا۔ کسی کو دین و دل عزیز ہو تو اس کی گلی میں جانے نہ پائے۔

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں — روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

غالب اگر مر گیا تو کونسا کام پورا نہیں ہو سکیگا۔ وہ زندہ تھا تو کیا کرتا تھا اب رونا کس کام کا۔

(۱۱۲)

غنچۂ ناشگفتہ کو دُور سے مت دکھا کہ یوں — بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

میں نے تم سے بوسہ لینے کو دریافت کیا اور آپ خاموش ہو گئے۔ تمہیں منہ سے بوسہ لینے کو بتانا تو چاہئے تھا۔ خاموشی دہن کو اور بھی ناشگفتہ کر گیا ہے۔

پرسشِ طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بن کہے　　اُس کے ہر اک اشارہ سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

جب اس کے اشارہ سے پتہ چل رہا ہے کہ دل کس طرح لیا جاتا ہے تو سوال کیوں کیا جائے کہ دل کس طرح لیتے ہو؟

رات کے وقت مے پئے ساتھ رقیب کو لئے　　آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

محبوب رات کو شراب پی کر مست آ جائے۔ مگر اپنے ساتھ رقیب کو نہ لائے۔

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھئے　　سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں

محبوب سے میں نے رات کے معاملہ کی نسبت پوچھا تو سامنے آ کر بیٹھ گیا اور بولا کہ یوں متقابل نظارہ تھے۔ اور لطف صحبت لیتے تھے۔

بزم میں اُسکے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھئے　　اُسکی تو خامشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں

اس کے سامنے محفل میں خاموش کیوں نہ بیٹھے رہیں۔ کیونکہ اُن کے چپ رہنے کا منشا بھی خاموشی ہی ہے۔

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہئے غیر سے تہی　　سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ یوں

محبوب کی ستم ظریفی یہاں تک ہے کہ میں نے کہا کہ بزم ناز میں غیر کا دخل نہ ہو۔ تو اس نے ہمیں بزم سے اُٹھا کر کہا کہ کیا اس طرح؟

مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح　　دیکھ کے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

محبوب نے کہا کہ ہوش کس طرح جاتے ہیں تو میری بیخودی کو دیکھ کر ہوا چلنے لگی کہ اس طرح اڑتے ہیں۔

کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی　　آئینہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یوں

کوئے یار میں رہنا نہیں چاہتا تھا اس لئے نقش قدم نے بتلایا کہ جیسے ی



حالت میں پڑے رہو۔

گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال　　موج محیطِ آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

اگر یہ خیال ہو کہ وصل کے بعد شوق کم ہو جاتا ہے۔ تو اس کا جواب موج دریا سے لو کہ کس طرح شوق اضطراب اور بڑھ جاتے۔

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشکِ فارسی　　گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سُنا کہ یوں

اگر یہ کہتا ہو کہ اُردو شاعری فارسی سے کیسے بہتر ہو سکتی ہے تو ایک بار غالب کی شاعری سُنا دیجو۔

## باب الواؤ

(۱۱۳)

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو　　کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

چونکہ حسد کا باعث تنگ نظری ہوا کرتی ہے۔ اس لئے حاسد کو چاہئے کہ اپنی حد نظر وسیع کرے۔

بقدرِ حسرتِ دل چاہئے ذوقِ معاصی بھی　　بھروں یک گوشۂ دامن گر آبِ ہفت دریا ہو

میرے دل میں گناہوں کی حسرت کافی زیادہ ہے اگر سات دریا ہوں تو اس سے میرا ایک گوشہ دامن تر ہوگا۔

اگر وہ سروِ قد گرمِ خرامِ ناز آ جاوے　　کفِ ہر خاکِ گلشن شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

اگر سرو قد محبوب گلشن میں سرگرم خرام ہو تو گلشن کی مٹی تک قمری کی طرح نالہ زن ہو اُٹھے۔

(۱۱۴)

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں　　بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو

[illegible] میں کعبہ جا رہا ہوں بُت خانہ کی محبت نہیں بھول سکتا۔ اُس کی یاد ابھی باقی ہے۔

**طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ — دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو**

انگبیں = شہد +

اگر طاعت گذاری میں حور اور جام مے کی آرزو نہ رہے۔ تو دوزخ و جنت کا اعتقاد مٹ کر خلوص دل پیدا ہو جائے۔

**ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسم ثواب سے — ٹیڑھا لگا ہے قط قلم سرنوشت کو**

ثواب کے راہ و رسم سے منحرف ہونا میرے لئے ضروری ہے کیونکہ ہماری قسمت میں شروع سے یہی کچھ لکھا ہے۔

**غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے — خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو**

مجھے اپنی بیکار کوشش پر کچھ نہ لہنا۔ اگر اتفاق سے ہمارے خرمن کو ملخ (ٹڈی) نہ کھائے تو بجلی جلانے کو موجود ہی ہے۔

(115)

**وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو — کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو**

اس خیال سے آزاد ہیں کہ آپ اُلفت نہیں کرتے اگر محبت نہیں تو عداوت ہی کرنی چاہئے تھی۔

**چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا — ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہ ہو**

ضعف نے تاب و تواں طاقت تک نہیں رہنے دی۔ اور نقش محبت اُٹھانا بھی دل پہ بار ہے۔

**ہے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیر کا گلہ — ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو**

تم ... ذکر کرتے ہو لیکن مجھے یہ شکایت ہے کہ اس ملعون کا میرے سامنے ذکر کیوں کرتے ہو؟

**پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا — یوں ہو تو چارۂ غم الفت ہی کیوں نہ ہو**

یہ درست نہیں کہ دنیا میں ہر ایک درد کی دوا پیدا ہوئی ہے اگر یہ درست ہو تو غم عشق کا علاج کیوں پیدا نہیں ہوا۔

**ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ — اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو**

میری بیکسی نے اپنے آپ سے معاملہ پیدا کرنے کی ٹھانی ہے اس لئے خجالت ہی اُٹھا رہا ہوں۔

**ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال — ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو**

آدمی ہر وقت گوناگوں خیالات میں گھرا رہتا ہے اور خلوت میں بھی جلوت کے مزے لیتا ہے۔

**ہنگامۂ زبونیٔ ہمت ہے انفعال — حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو**

اگر کسی سے کچھ حاصل کرنے سے شرمندگی اُٹھانی پڑتی ہے۔ تو عبرت بھی زمانہ سے حاصل نہ کرو۔ کیونکہ اس میں بھی انفعال حاصل ہوگا۔

**وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں — اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو**

آزاد اُسے نہیں کہتے جو دوسروں سے بیگانہ رہے۔ اگر بیگانہ رہنا ہے تو اپنے نفس سے رہ تاکہ پھر آزادی کا پتہ چلے۔

**مٹتا ہے فوت فرصت ہستی کا غم کوئی — عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو**

عمر اگرچہ عزیز ترین شے ہے کہ تمام حیات عبادت میں صرف ہو پھر بھی مرنے کا غم لگا رہتا ہے۔ بہترین مصرف سے بھی غم نہیں مٹتا۔

**اُس فتنہ خو کے در سے اب اُٹھتے نہیں اسدؔ — اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو**

چاہے کچھ ہو ہم فتنہ خو محبوب کے در سے نہیں اُٹھتے قیامت آ کر اُٹھائے

میں کمال عقیدت سے محبوب کے پاؤں دھو کر پینے کی کوشش کرتا ہوں۔ وہ شدت تلاش کے باعث پاؤں کھینچ لیتا ہے اور مجھے حقیر و ذلیل سمجھتا ہے۔

دی سادگی سے جان پڑوں کوہکن کے پانو ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو

کوہکن کی سادگی پر قربان جس نے پیرزن کے فریب و دجل پر جان دے ڈالی۔ ہائے ہائے وہ کتنا سادہ مزاج تھا۔

بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے یہ ہو کر اسیر دابتے ہیں راہزن کے پانو

ہم راہزن سے بھاگتے تھے جس کی سزا میں اس کے قدم دابنے پڑے اور اسیر ہو گئے۔

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانو

مرہم کی تلاش میں مجھے اتنا سرگرداں ہونا پڑا کہ جسم سے بڑھ کر پاؤں چھلنی ہو گئے اور اصل مرض سے زیادہ تکلیف مجھے پڑ گئی۔

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانو

دشت نوردی کا شوق اتنا کہ مرنے کے بعد کفن میں بھی میرے پاؤں ہل رہے ہیں اور آوارہ پھرنے پر مستعد ہیں۔

ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف اڑتے ہوئے الجھتے ہیں مرغ چمن کے پانو

بہار نے اتنا پر رونق نظارہ پیش کیا ہے کہ اگر طائران چمن اڑ کر کہیں جانا بھی چاہیں تو رونق چمن دام بن کر انہیں کہیں جانے نہیں دیتی۔

شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں دکھتے ہیں آج اس بت نازک بدن کے پانو

نازک بدن محبوب کے پاؤں دکھنے کا سبب یہ تو نہیں کہ خواب میں شاید کہیں اسے سفر کرنا پڑا ہو؟

غالب مرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو پیتا ہوں دھو کے خسرو شیریں سخن کے پانو

غالب چونکہ شیریں سخن بادشاہ کے پاؤں دھو کر پیتا ہے اس لئے اس کے کلام میں مزا آ گیا ہے۔

(۱۱۸)

واں اس کو ہول دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

اُن کے دل کی دھڑکن میری آہ و زاری کی وجہ سے ہے۔ میں اپنے آپ خوف محسوس کر رہا ہوں۔

اپنے کو دیکھتا نہیں ذوق ستم تو دیکھ آئینہ تاکہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

محبوب کے ذوق ستم کو دیکھئے۔ جب تک کسی کو اپنے تیر نظر کا شکار نہ کرے آرائش جمال نہیں دکھاتا۔

(۱۱۹)

واں پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو صد رہ آہنگ زمیں بوس قدم ہے ہم کو

وہاں پہنچ کر مجھے بار بار غش آتا ہے۔ اور سو مرتبہ جی چاہتا ہے کہ میں اپنے قدموں کو بوسہ دوں۔ کیونکہ میرے پاؤں مجھے کوچہ جاناں میں لے گئے۔

دل کو میں اور مجھے دل محو وفا رکھتا ہے کس قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو

میں دل کو اور میرا دل مجھے محو وفا رکھتا ہے۔ جس سے ہمارے لذت آزار کے خوگر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ضعف سے نقش پئے مور ہے طوق گردن ترے کوچے سے کہاں طاقت رم ہے ہم کو

کمزوری کا کمال ہے کہ چیونٹی کے پاؤں کا نقش بھی طوق گردن ہے اس لئے تیرے کوچہ سے بھاگ نہیں سکتے۔

جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو

تغافل جو جان کر کیا جائیگا اس سے یہ امید تو ہوگی کہ کبھی تو التفات ہوگی۔

Scanned by CamScanner

اس لئے تغافل سے منع نہیں کرتے کیونکہ نگاہ غلط انداز بھی معلوم ہوتی ہے۔

رشک ہم طرحی و دردِ اثرِ بانگِ حزیں — نالۂ مرغِ سحر تیغِ دو دم ہے ہم کو

مرغِ سحر کی آواز سے دو قسم کے آزار ملتے ہیں۔ ایک ہم رنگ ہو کر رونا اور دوسرے دردناک آواز کا ہم اثر۔

سر اڑانے کے جو وعدہ کو مکرر چاہا — ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو

سر اڑانے کے وعدہ کی مکرر التجا کی تو اس نے کہا تیرے سر کی قسم اسے ضرور اڑائیں گے۔

دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ؟ ولیکن ناچار — پاسِ بے رونقیِ دیدہ اہم ہے ہم کو

دل کے خون کرنے کی یہی وجہ ہے کہ ہم رونے کو رونقِ دیدہ سمجھے ہوئے ہیں۔

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو — ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

تم اتنے نازک ہو کہ میری خاموشی کو فغاں کہتے ہو اور میرا عجز یہاں تک کہ تمہارے ستم سے ہاتھ اٹھانے کو بھی ستم سمجھتا ہوں۔

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی — ہوسِ سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

لکھنؤ آنے کا سبب معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ سیر و تماشا کی ہوس ہم کو بہت کم ہے۔

مقطع سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر — عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو

ہمارا سلسلۂ شوق اس شہر سے ہی ختم نہیں ہوتا۔ حرم اور نجف میں جا کر منقطع ہوگا۔

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب — جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

کسی کرم کی امید پہ جا رہے ہیں اور مرکز کاف ہمارے لئے جادۂ راہ



بنا ہوا ہے۔

(١٣٠)

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو — مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

غیر سے تم راہ و رسم رکھتے ہو تو تم جانو تمہارا کام جانے۔ ہمیں بھی پوچھتے رہو تو اس میں کیا گناہ ہے۔

بچتے نہیں مواخذۂ روزِ حشر سے — قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

محشر کو تم سے مواخذہ ضرور ہوگا۔ رقیب نے قتل کیا ہے اس لئے تم گواہ ہو۔ یہ نہیں کہ تم نے قتل نہیں کیا تو قتل ہوتے بھی نہیں دیکھا۔

کیا وہ بھی بے گنہ کش و حق ناسپاس ہیں — مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو

مان لیا تم انسان نہیں چاند اور سورج ہو لیکن کیا وہ بھی تمہاری طرح بے جرم لوگوں کا خون بہاتے ہیں۔

ابھرا ہوا نقاب میں ہے ان کے ایک تار — مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

نقاب سے ابھرے ہوئے تار کو دیکھ کر ڈرتا ہوں۔ کہ یہ کسی کی نگاہ نہ ہو۔

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید — مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

وہ جگہ جہاں شراب پینا باعث لطف تھا ہم سے چھوٹ گئی تو اب مدرسہ ہو مسجد ہو کوئی جگہ ہو ہم وہیں پی لیں گے۔

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست — لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

بہشت کی ساری تعریفیں درست سہی لیکن ہم اسے اچھا مانیں گے جب وہاں تیرا دیدار پائیں گے۔ ورنہ نہیں؛

غالب بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں — دنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو

غالب جیسا شاعر بھی بادشاہ کے پاس نہ ہو تو بڑا نہیں۔ میرا بادشاہ سلامت رہے۔

(۱۲۱)

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو

وہ زمانہ گیا کہ ہم ان سے دو باتیں کرنے کی آرزو رکھتے تھے۔ اب تو ساری کہانی کہہ دی لیکن انہیں رحم نہیں آیا اب کیا کیا جائے۔

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو

اسی کو وصال سمجھتے ہیں کہ اگر نہ ہو تو کہاں جائیں اور اگر ہو تو وہ کیسا ہو۔ ہماری محرومی کا کمال ہے۔

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے حیا ہے اور یہی گومگو تو کیونکر ہو

اگر ادب یہی ہے۔ کہ گومگو کرتے ہوئے شرمسار ہیں تو کیسے کام بنے گا۔

تمہیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو

اگر حسینوں کی ایسی ہی عادت ہے تو بتاؤ عاشقوں کا گزارا کیسے چلے گا۔

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو

اگر تم آئینہ دیکھتے تو اپنے عکس سے ہی الجھتے رہتے۔ اگر شہر میں تمہارے جیسے دو چار اور ہو جائیں تو پھر زندگی دوبھر ہے۔

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

میرا سیاہ بخت دن رات سے زیادہ تاریک ہے بمجبوراً دن کو رات اور رات کو دن کہتا ہوں۔

ہمیں پھر ان سے امید اور انہیں ہماری قدر ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو

جب وہ ہماری بات نہ پوچھیں تو ہمیں ان سے کیا وہ ہماری قدر خاک



کریں گے۔

غلط نہ تھا ہمیں خط پر گمان تسلی کا نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

یہ گمان تھا کہ ہماری تسلی ان کے خط سے ہو جائے گی مگر دیدۂ دیدار طلب کو فقط خط سے تسلی نہ ہوئی۔ کیا کیا جائے۔

بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

ان کی مژہ نشتر ہے جو رگ جان تک اتری ہوئی ہے کوئی بتائے کس طرح قرار پاؤں۔

مجھے جنوں نہیں غالب ولے بقول حضور فراق یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

غالب مجھے پاگل پن نہیں حضور شاہ ظفر کے قول کے مطابق تسکین کے لئے یہ شغل ہے۔

(۱۲۲)

کسی کو دے کے دل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

کسی کو کوئی دل دے ڈالے تو پھر آہ و فغاں کیوں کرے اگر سینے میں دل ہی نہ ہو تو منہ میں زبان کیوں گویا ہو۔

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

وہ اپنی عادت نہیں چھوڑتے تو ہم اپنی وضع پر کیوں نہ قائم رہیں اور ان سے یہ نہ پوچھیں کہ آپ کیوں ناراض ہیں؟

کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو

میرے غمخوار کے اضطراب کو دیکھئے اس کا دنیا کو علم ہو گیا ہے۔ ایسی محبت بھاڑ میں جائے جو غم نہ اٹھا سکے اور میری رفیق غم بن سکے۔

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

جب مقدر میں سر پھوڑنا لکھا ہے تو پھر وفا اور عشق کہاں۔ جس جگہ بھی آئے تم سر پھوڑیں گے۔ تیرے ہی آستانہ پر کیوں پھوڑیں۔

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم     گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

طائر قفس نشین آزاد مگر گھبرائے ہوئے پرندے سے کہتا ہے کہ اپنی روئیداد بتلاتے ہوئے کیوں جھجکتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا جو کل کی بجلی سے میرا گھر برباد ہونے کی بجائے میرا نشیمن جلا ہوتا۔ تسلی کا کمال ہے۔

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ     کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

تم کہہ نہیں سکتے کہ تم میرے دل میں ہو لیکن یہ بتلاؤ دل میں ہونے کے باوجود نگاہوں سے اوجھل کیوں ہو۔

غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے     نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

جذبِ دل کی کشاکش دونوں طرف سے ہے میرا جذبِ دل تم کو اور تمہارا مجھے کھینچ رہا ہے پھر شکوہ شکایت کیوں؟

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے     ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو

آپ کی دوستی خانہ ویرانی کے لئے کچھ کم نہیں یہ بھی ایک فتنہ ہے اسی لئے جس کے تم دوست بنے آسمان اُسی کا دشمن ہو گیا۔

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں     عدو کے ہو لئے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

جب تم رقیب کے ہو اور مجھے ستاتے ہو اور کہتے ہو کہ امتحان لیتے ہیں۔ اگر اسی کا نام امتحان ہے تو پھر ستانا کس حرکت کا نام ہے۔

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی     بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

معشوق سے عاشق نے کہا کہ غیر کے ملنے سے رسوا ہو جاؤ گے تو وہ اطلاف کر کے کہتا ہے بجا ہے درست ہے ذرا پھر تو کہو کہ کیونکر رسوائی ہوگی۔



نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب     ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

غالب طعنوں سے کام نکالنا چاہتے ہو لیکن اس طرح وہ دام میں نہیں آسکتے محض بے مہر کہنے سے ہی مہربان ہو جائیں گے۔

(۱۲۳)

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو     ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

دُنیا کے دوستوں سے تنگ آکر ایسی جگہ جانا چاہتے ہیں جہاں کوئی ہم زبان اور بات کرنے والا نہ ہو تاکہ اس کی گفتگو سے آزار پہنچے۔

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہئے     کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

گھر کا دروازہ نہ ہونے سے دربان کی احتیاج نہیں ہوگی اور دیوار نہ ہونے سے ہمسایہ کوئی نہ بنے گا اور نہ پاسبان۔

پڑئیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار     اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

بیمار پڑنے پر کوئی تیمارداری کرنے کو نہ آئے اور مر جائیں تو رونے پیٹنے والا کوئی نہ ہو۔

# باب ہائے ہوز

(۱۳۴)

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ     طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

خورشید سے ذرہ خاک تک دل ہی دل ہے اور دل آئینہ کی صورت ہے جس سے طوطی کو ہر طرف آئینہ خانہ میں اپنی ہی صورت نظر آتی ہے یعنی ذات باری کی ہی یہ سب جلوہ فرمائی ہے۔

(۱۳۵)

ہے سبزہ زار ہر در و دیوارِ غمکدہ جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ

اشک ریزی کے سیلاب سے ہر جگہ سبزہ اُگا ہوا ہے۔ اور ویرانی کا عالم ہے۔ جس کی بہار ہی خزاں سے بدتر ہو اس کی خزاں کتنی خوفناک ہوگی۔

ناچار بیکسی کی بھی حسرت اُٹھائیے دشواریِ رہ و ستمِ ہمرہاں نہ پوچھ

مجبوراً بیکسی سے حسرت اٹھاتے ہیں کیونکہ دشواریِ راہِ عشق کے راستے کو کاٹنا مشکل ہے۔ کاش ہم بیکس ہوتے تو اس راہ کو طے نہ کرنا پڑتا۔

# باب الیاء

(۱۳۶)

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اُٹھائیے طاقت کہاں کہ دید کا احساں اُٹھائیے

نظر اٹھا کر دیکھیں تو دنیائے دوں کی دلفریبیاں سامنے ہیں۔ طاقت نہیں کہ نظارہ کا احسان اٹھا سکیں یہ بہت دشوار ہے۔

ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنونِ عشق یعنی ہنوز منتِ طفلاں اُٹھائیے

معاشِ جنوں کا دارومدار سنگِ طفلاں پر ہے۔ کیونکہ دیوانۂ عشق ہو کر بھی اُن کے احسان کی احتیاج رہتی ہے۔

دیوار بارِ منتِ مزدور سے ہے خم اے خانماں خراب احساں اُٹھائیے

دیوار کا خم ہونا مزدور کے بارِ احسان کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کسی کا احسان نہ اٹھانا چاہئے۔

یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجئے یا پردۂ تبسمِ پنہاں اُٹھائیے

یا تو لوگوں سے یہ نہ کہئے کہ رشک میں جل رہا ہے یا چھپ چھپ کر ہنسنا چھوڑ دیجئے۔



(۱۳۷)

مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہئے بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہئے

مسجد کے پاس شراب خانہ کی ایسے ہی احتیاج ہے جس طرح آنکھوں کے پاس ابرو کی۔

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہئے

اچھا ہوا جو ایک اور شخص پہ عاشق ہو گئے اس طرح آپ کو بھی رنج اٹھانے پڑیں گے جس طرح میں مصیبتیں برداشت کر رہا ہوں۔

دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہئے

اے فلک اور کچھ نہیں تو دلِ حسرت پرست کی داد ہی دے ڈال۔

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہئے

ہم نے مصوری معشوقوں کے حصولِ ملاقات کے لئے سیکھی تھی کبھی تو وہ تصویر بنوانے آئیں گے۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہئے

میرے شراب پینے کا مقصد سرور و نشاط نہیں۔ بلکہ میں بے خودی چاہتا ہوں تاکہ خود کو بھولا رہا ہوں۔

ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے

باغ میں قسم قسم کے پھول کھلے ہیں اور بہار کا ثبوت ہر ایک شے سے مل رہا ہے۔

سر پائے خم پہ چاہئے ہنگامِ بیخودی رو سوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہئے

بیخودی میں شراب کے مٹکے پر لوٹنا چاہئے اور مناجات کے وقت قبلہ کی طرف رُخ کرنا چاہئے یعنی حسبِ موقع کام کرنے چاہئیں۔

یعنی بجسب گردش پیمانۂ صفات   عارف ہمیشہ مست مے ذات چاہئے

عارف کو ہمیشہ ذات باری کی یاد میں بہرصورت مست رہنا چاہئے۔ اور اُس کی ذاتی صفات کو قبول کرنا چاہئے۔

نشوونما ہے اصل سے غالب فروع کو   خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہئے

جو بات پیدا ہوتی ہے خاموشی سے ہی ہوتی ہے مثلاً پہلے آدمی خاموش ہوتا ہے پھر سوچ کر گفتگو کرتا ہے۔ یعنی خاموشی گفتگو کی اصل ہے۔

(۱۲۸)

بساط عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی   سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی

میری بساط عجز میں ایک دل باقی رہ گیا تھا مگر وہ بھی ایک قطرہ خون سے زیادہ نہیں۔ جو ہر وقت ٹپکنے کو تیار سرنگوں ہے۔

ہے اُس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے   تکلف برطرف تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی

کچھ دن ہم محبوب سے آزردہ اور خفا رہے۔ لیکن تکلف کو برطرف کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ یہ ایک اندازِ جنون تھا۔

خیالِ مرگ کب تسکیں دلِ آزردہ کو بخشے   مرے دامِ تمنا میں ہے اک صیدِ زبوں وہ بھی

موت کے خیال سے بھی آزردہ کو تسکین نہیں ہو سکتی۔ میری تمنا میں بیشمار شکار ہیں۔ خیالِ مرگ تو معمولی سا تصور ہے۔

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو معلوم تھا ہمدم   کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی

افسوس! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ رونے سے اور درد بڑھے گا۔ تو میں ہرگز نہ روتا۔

نہ اتنا بُرشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ   مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی

تیغِ جفا کی بُرش پہ ناز نہ کرو کیونکہ تلوار میرے بے تاب سمندر کی لہر ہے۔



اس میں کتنی ہی ایسی موجیں اُٹھتی ہیں۔ جو میرا خون کرنے کو آمادہ ہوتی ہیں۔

مے عشرت کی خواہش ساقیِ گردوں سے کیا کیجے   لئے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی

اے ساقی زمانہ سے شرابِ عیش کی کیا تمنا کریں۔ وہ تو دو چار اُلٹے پیالے لئے بیٹھا ہے۔ شرابِ عشرت کا تو وہاں نام بھی نہیں ہے۔

مرے دل میں ہے غالب شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں   خدا وہ دن کرے جو اُس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

اے غالب میرے دل میں شکوہ ہجر اور وصل کا شوق موجود ہے خدا کرے کہ جلد نہیں ان کی تصنیف سناؤں۔

(۱۲۹)

ہے بزمِ بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے   تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

محبوب کی خوشامد پسندی اس قدر ہے کہ ابھی بات منہ سے نکلی نہیں کہ لب آزردہ ہو گئے۔

ہے دورِ قدح وجہ پریشانیِ صہبا   یکبار لگا دو خمِ مے میرے لبوں سے

شراب کا دور چلانے سے شراب گرتی ہے اگر خم مے ایک بار ہی منہ سے لگا دو تاکہ وہ گرے گی۔

رندانِ درِ میکدہ گستاخ ہیں زاہد   زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

اے زاہد مے خانہ کے دروازہ پر پڑے رہنے والے بادہ نوش بڑے گستاخ ہیں اُن سے مقابلہ کی ٹھان نہ لینا؟۔

بیدادِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر   ہرچند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

میری جان ہمیشہ لبوں پہ رہتی تھی مگر اس بیدادِ وفا کی وجہ سے اس نے لبوں سے کنارہ کر لیا ہے۔

(۱۳۰)

تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا — سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

اگر کوئی ہمارا ذکر کرے تو وہ شوخ اُسے سُن لیتا ہے۔ لیکن اُس کے باوجود اُسے ہماری حالت پر رحم نہیں آتا اور وہ کسی سے ہمارا ذکر بیان نہیں کرتا۔

غالب ترا احوال سنا دینگے ہم اُن کو — وہ سن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

اے غالب تیرا حال محبوب کو سُنا دیں گے۔ لیکن یہ ذمہ نہیں لیتے کہ وہ رحم کھا کر تمہیں اپنے پاس بھی بلائے گا۔

(۱۳۱)

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا — وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

گھر میں رکھا ہی کیا ہے ایک حسرت تعمیر تھی اُسے بھی تیرے غم نے نہ چھوڑا۔

(۱۳۲)

غم دُنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اُٹھانے کی — فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

اگر دنیا کے غموں سے فرصت حاصل کر کے ہوش بھی آئی تو ادھر آسمان کو دیکھا اور اُدھر تو مجھے یاد آ گیا۔

کھلے گا کس طرح مضموں مرے مکتوب کا یا رب — قسم کھائی ہے اُس کافر نے کاغذ کے جلانے کی

اے خدا میرے خط کے مضمون سے کیونکر آگاہی ہوگی محبوب نے تو میرے کاغذ کو جلانے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ افسوس وہ اُسے بھی جلا دیگا۔ اور وہ راز معلوم نہ کر سکے گا۔

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے — ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانے کی

سوز غم کو دل میں چھپانا مشکل ہے لیکن شعلۂ آتش کو کپڑے میں لپیٹنا آسان ہے۔

انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا — اُٹھے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

اُس کا ارادہ زخمیوں کے دیکھ آنے کا تھا لیکن شوخی دیکھئے کہ وہ سیر گلستان کے بہانے سے چل پڑے ہیں۔

ہماری سادگی تھی التفات ناز پر مرنا — ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی

ادھر تو آیا اور اُدھر جانے کو تیار ہو گیا۔ ہماری سادگی تیرے آنے کے التفات ناز پہ ہے اور تیرا آنا جانے کی ابتدا بن گیا ہے۔

لکد کوب حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی — مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اُٹھانے کی

میری قوت برداشت ناز آفرینوں کی ضامن کہی جاتی تھی اب حوادثات عالم کو برداشت نہیں کر سکتی۔

کہوں کیا خوبی اوضاع ابنائے زماں غالب — بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

اہل زمانہ کی خوبیوں کا کیا ذکر کروں جس سے ہم نے بارہا نیکی کی اس نے ہم سے بدی ہی کی۔

(۱۳۳)

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی — دل جوش گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی

اے آرزو تو جو دل میں پھرتی ہوئی اُمید رکھتی ہے کہ جوش گریہ سے فائدہ ہوگا اس سے تجھے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے — میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغ ناتمامی

جس شمع کو کسی نے بجھایا ہوا اور ابھی پوری نہ جلی ہو میں اسی طرح کی [illegible]

(۱۳۴)

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے — جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

ہم ستم زدوں کا جہان اتنا تنگ ہے جس میں چیونٹی کا انڈا بھی آسمان کے برابر ہے۔ یعنی دُنیا میں ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے      پرتوِ سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

جس طرح آفتاب کے پرتوے ذرے میں جان پڑ تی ہے اسی طرح دنیا کی حالت

حالانکہ ہے یہ سیلیِ خارا سے لالہ رنگ      غافل کو میرے شیشے پہ مے کا گمان ہے

میرا شیشہ دل پتھر کی چوٹ کھا کر لالہ رنگ ہو گیا ہے مگر غافل کو گمان ہے

کہ اس میں شراب بھری ہوئی ہے۔

کی اُس نے گرم سینۂ اہلِ ہوس میں جا      آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

اہل ہوس کے سینہ میں محبوب نے سوزِ عشق کے نہ ہونے سے ٹھنڈک

محسوس کی اور وہیں مقام بنا لیا۔

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا      بس چپ رہو ہمارے بھی مُنہ میں زبان ہے

واقعی آپ نے غیر کو بوسہ نہیں دیا۔ رہنے دو ہمارے منہ میں بھی زبان

ہے کہیں کچھ اور منہ سے نکل جائے گا۔

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں      فرمانروائے کشورِ ہندوستان ہے

سایہ دیوار یار میں ہندوستان کا بادشاہ بیٹھا ہے۔ ہندوستان کالا

ملک ہے اور سایہ بھی سیاہ ہوتا ہے اس لئے ہندوستان کی تخصیص کی

گئی ہے۔

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا      کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

جگر کو داغ غم نے کھا لیا میں اگر کسی کو اس کے متعلق کہوں تو کون یقین

کرے گا۔ کہ اس کے پاس پہلے بھی جگر تھا۔

ہے بارے اعتمادِ وفاداری اس قدر      غالبؔ ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہربان ہے

ہم اس پر مہربان نہ ہونے سے خوش ہیں کیونکہ اس کو ہماری وفاداری

پر کامل اعتماد ہے۔



(۱۳۵)

دردِ دل میرے ہے تجھ کو بیقراری ہائے ہائے      کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

اے ظالم درد سے بیقرار ہے۔ ہائے تیری غفلت شعاری کیا اس کی تجھے

پروا بھی ہے؟

تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ      تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

اگر تو میرا غم برداشت نہیں کر سکتا تھا تو پھر میری غمگساری ہی کیوں کی تھی۔

کیوں میری غمخوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال      دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے

میری غمخواری کا خیال ہی کیوں کیا۔ میری دوستی سے اپنے لئے دشمنی نہیں

خریدی؟

عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا      عمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری ہائے ہائے

تو نے میرے ساتھ عمر بھر کی وفاداری کا عہد کیا کیا عمر ناپائیدار ہے جس

نے جُدائی کا مُنہ دکھایا۔

زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی      یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

مجھے زندگی زہر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی تجھ سے موافقت نہ تھی۔

گلفشانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا      خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے

کوئی وقت تھا جب تو ناز و انداز سے جلوہ پذیر ہوتا تھا۔ لیکن آج تیری

قبر پر پھول چڑھائے جا رہے ہیں۔

شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں      ختم ہے اُلفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

افسوس۔ تجھ پر محبت ختم ہو گئی اور تو عشق کی رسوائی سے چھپنے کے لئے

نقابِ خاک میں پوشیدہ ہو گیا۔

خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت مِل گئی      اُٹھ گئی دُنیا سے راہ و رسمِ یاری ہائے ہائے

دنیا سے راہ و رسمِ محبت اٹھ گئی اور پیمانِ محبت کو تو نے خاک میں ملا دیا۔

ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا    دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ہائے ہائے

ابھی میرے دل پر تیغِ محبت کا زخمِ کاری لگا تھا کہ تیغ زن کا ہاتھ بیکار ہو گیا۔

کس طرح کاٹے کوئی شب ہائے تارِ برشکال    ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے

برسات کی تاریک راتیں کس طرح کاٹی جائیں۔ جن میں نہ روشنی کے لئے تارے ہیں اور نہ تیرے ملنے کی امید۔

گوش مہجورِ پیام و چشم محرومِ جمال    ایک دل تس پر یہ نا امیدواری ہائے ہائے

نہ کانوں کو پیام سننے کی طاقت اور نہ آنکھ جمالِ یار سے لذت اندوز۔ ایک دل اور اس پر یہ نا امیدواری۔

عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی وحشت کا رنگ    رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے

عشق نے دیوانگی کی لذت حاصل نہیں کی تھی۔ کہ معشوق نے پہلے ہی جان دے ڈالی اور ذلیل ہونے کا ارمان دل میں ہی رہ گیا۔

(۱۳۶)

سرگشتگی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے    تسکیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے

سرگشتگی میں زندگی سے نا امید ہو گیا ہوں اب جذبۂ تسکیں کو پیغام دو کہ میں مر رہا ہوں۔

لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر    اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

میرے تباہ حال دل کی خبر نہیں لیتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرا دل میرے پاس ہے۔

کیجے بیاں سرورِ تپِ غم کہاں تلک    ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے



تپِ غم کے سرور کی کیا کہوں اس کی وجہ سے بدن پر ہر ایک مو شکر گزار ہے۔ یعنی بخار میں رونگٹے کھڑے ہیں۔

ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا    ہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے

وہ حق شناس دل رکھتا ہے مگر غرورِ حسن اُسے اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

پی جس قدر ملے شبِ مہتاب میں شراب    اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

چاندنی رات میں جس قدر شراب ملے پی۔ کیونکہ چاندنی رات سردی کی وجہ سے بلغمی ہو جاتی ہے اس لئے گرم دوا کے طور پر شراب پینی چاہئے۔

ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسدؔ    مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

ہر ایک مکان کو مکین سے رونق ہے مجنوں کے مرنے سے جنگل ویران ہو گیا ہے۔

(۱۳۷)

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے    خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

خاموش رہنے سے یہ فائدہ ضرور ہے کہ رازِ دل افشا نہیں ہوتا۔ لیکن میری دلیل یہ ہے کہ اگر چپ نہ رہوں تو بھی میری گفتگو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ    دل فردِ جمع و خرچِ زباں ہائے لال ہے

یعنی حسرت کی شکایات کس کے سامنے کروں۔ میرا دل جمع خرچ کی فرد ہے جس کا زبان سے اظہار نہیں ہو سکتا۔

کس پردے میں ہے آئنہ پرداز اے خدا    رحمت کہ عذر خواہ لبِ بے سوال ہے

اے خدا تو کہاں جلوہ افروز ہے میں لبِ بے سوال رکھتا ہوں میری عذر خواہی کیوں نہیں سنی جاتی۔

ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی — اے شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

اے شرمندہ شوق تیرے لئے شرمندگی کا مقام ہے تجھے یہ کیا سوجھی۔ بھلا محبوب اور اس سے دشمنی کی جائے۔

مشکیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان — ناف زمین ہے کہ یہ نافِ غزال ہے

کعبہ کا سیاہ لباس حضرت علی کے قدوم میمنت لزوم سے خوشبودار ہے۔ اور ناف زمین ہے مگر نافہ ہرن خوشبودار ہوتا ہے اور مشک وہاں سے نکلتا ہے۔

وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ ہے — دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے

میرے شوق صحرانوردی کے لئے زمین اتنی وسیع نہیں تھی۔ اس لئے وہ شرمندہ ہوئی جس سے اس پر دریا بہ نکلے جو زمین پر دیکھے جا رہے ہیں۔

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسدؔ — عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

دنیا دھوکے کی ٹٹی ہے اس کے فریب میں نہ آنا۔

---

اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو — حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے

ان شکووں کو جو میرے دل میں پنہاں ہیں کھود کھود کر کیوں پوچھتے ہو۔ یا نہیں جانتے وہ شکوے نہیں آگ کے شعلے ہیں۔

دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر — نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

اے دل یہ درد و غم غنیمت ہے کیونکہ بالآخر اسی نے ہی جان لینی ہے جس سے آہ نیم شبی اور گریۂ سحری کافور ہو جائے گا۔

(۱۳۸)

آہ۔ جو حرف کہ لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا — ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

تیرے خط پر ایک حرف وفا لکھا تھا اور وہ تو خود حرف غلط کی طرح



مٹ گیا۔ جو تیرے خط کی غلط برداری کا ثبوت ہے۔

جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں — ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتشبار ہے

ہمارا دل ذوق فنا کی ناتمامی پر جلنا چاہئے۔ گو یہ نفس آتشبار ہے مگر پھر بھی ہم نہیں جل سکتے۔

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا — ہر کوئی درماندگی میں نالے سے لاچار ہے

آگ کو پانی میں بجھانے سے آواز پیدا ہوتی ہے معلوم ہوا کہ عاجزی میں زبان سے فریاد ضرور نکلنی چاہئے۔

ہے وہی بدمستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ — جس کے جلوے سے زمیں تا آسماں سرشار ہے

جس کے جلوے سے زمین سے آسمان تک مستی کا عالم طاری ہے وہ عالم کیف کا خود ہی عذر خواہ ہے۔

مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی — زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

تو ہمیں اپنی زندگی کا افسانہ سناتا تھا مگر اب اس کے سننے کی تاب نہیں میرا دل دنیا کی حالت دیکھ کر بیزار ہو گیا ہے۔

آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا — تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

آنکھ پر تیرا نقش کندہ کرنے کا یہی مقصد ہے کہ جب تو مجھے دیکھے تو تجھ پر کھل جائے کہ حسرت دیدار رکھتا ہوں۔

---

پینس پہ گذرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے — کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

میرے کوچے سے وہ (اشارہ استاد مومن کی طرف ہے) جب گذرتے ہیں کہاروں کو جلدی چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔ انہیں کندھا بھی بدلنے نہیں دیتے۔

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو  آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

جو کچھ مل جائے حاصل کرو۔ خواہ غفلت ہی ہو۔ جب یہ غافل ہوئے تو آگاہ کامل بن گئے۔

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام  دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سہی

اگرچہ عمر کا وقفہ بہت تھوڑا ہے لیکن اس میں دل کو خون کرنے کی فرصت تو مل جائے گی۔

ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں  نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

ہم ترک وفا کرنے والے نہیں ہیں۔ عشق کو سراسر مصیبت جان کر بھی محبت کرنا نہیں چھوڑیں گے۔

کچھ تو دے اے فلک ناانصاف  آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

اے ناانصاف آسمان اگر مراد بر نہیں لانے کا تو آہ و فریاد کی اجازت ہی دے ڈال۔

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے  بے نیازی تری عادت ہی سہی

ہمیں معلوم ہوا کہ تیری عادت بے نیازی کی ہے اس لئے ہم بھی تسلیم و رضا پر عمل کریں گے۔ تاکہ تیری بے نیازی کو برداشت کر سکیں۔

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ  گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

محبوب سے کچھ نہ کچھ چھیڑ چھاڑ رہنی چاہئے۔ اگر وصل نہیں تو اظہار حسرت و ارمان ہی سہی۔

(۱۴۳)

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے  صبح وطن ہے خندہ دنداں نما مجھے

مجھ آوارہ مزاج کو آرام میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ صبح وطن بھی ہوتے نازاں کرتی ہے کہ تیری قسمت میں آرام نہیں تھا۔ پھر یہ کیا معاملہ بنا۔

ڈھونڈے ہے اس مغنی آتش نفس کو جی  جس کی صدا ہو جلوہ برق فنا مجھے

ایسے گانے والے آتش نفس کی تلاش ہے۔ جس کی آواز برق فنا کی طرح جلوہ ریز ہو کر میری ہستی کا نشان ہی باقی نہ رہنے دے۔

مستانہ طے کروں ہوں رہ وادی خیال  تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے

وادی خیال کو اس مستانہ انداز سے طے کر رہا ہوں۔ کہ مجھے اپنی آمد کا بھی پتہ نہیں ہے۔ اور ہوش گم ہیں۔

کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں  آنے لگی ہے نکہت گل سے حیا مجھے

باغ میں بے حجابانہ روش سے پھولوں کی مہک کا پتہ چلتا ہے اس سے اب میری نظر ان کے سامنے ہی نہیں اٹھتی۔

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ  شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

عاشقانہ شعروں کے انتخاب نے ہی خواص کو میرے دل کی کیفیت سے آگاہ کر دیا ہے۔

(۱۴۴)

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ  ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

جب ہماری زندگی اس بے کسی کے عالم میں گزری اور کوئی خوشی نصیب نہ ہوئی تو ہم نے کیا یاد کرنا ہے کہ ہمارا بھی کوئی خدا تھا۔

(۱۴۵)

اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے  بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کئے

اس کی محفل میں غیرت سے نہیں بلکہ بے حیا بن کر بیٹھا رہا۔ لوگ مجھ پر آوازے کستے رہے مگر میں نہ اٹھا۔

ہارتی ہیں۔ یعنی نامراد و ناکام۔

گزرا اسد مسرت پیغام یار سے  قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہے

اسد قاصد پیغام یار سننے سے رہا۔ رشک آتا ہے کہ وہ اس سے سوال جواب کرے گا۔

(۱۴۷)

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے  میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

میری بدقسمتی ہے کہ میں کسی طرح اسے دیکھ نہیں سکتا اور اگر دیکھنے کا موقع ملتا ہے تو اپنے خود اپنے آپ پہ رشک آتا ہے۔ کہ بھلا کب وہ مجھ سے دیکھا جا سکے گا۔

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے  آبگینہ تندیٔ صہبا سے پگھلا جائے ہے

اگر خیالات میں ایسی ہی گرمی ہے تو دل سے ہاتھ دھو لینا چاہئے۔ کیونکہ اس میں ایسی تیز شراب ہے جو شیشہ کو بھی گلا سکتی ہے۔

غیر کو یا رب وہ کیونکر منع گستاخی کرے  گر حیا بھی اسکو آتی ہے تو شرما جائے ہے

غیر کے چھیڑنے اور گستاخی کرنے سے اسے شرم آ جاتی ہے وہ اس شرم سے ہی شرما جاتا ہے۔

شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے  دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

میرے شوق کو ہر وقت نالہ کشی کی عادت ہے اور دل کی یہ حالت ہے کہ اسے سانس لینا بھی دوبھر ہے۔

دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ  نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے

تیری بزم طرب کو خدا نظر بد سے محفوظ رکھے یہ حالت ہے کہ اگر وہاں نالہ [illegible]

پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے



محبوب نے عشق کے راز کو نہاں و پنہاں رکھنے کے لئے بزم میں تغافل کیا ہے۔ کیا ہی بہتر تھا کہ ہم شرمسار ہو جاتے اور وہ ہم پر ستم کرنا شروع کر دیتے۔

اسکی بزم آرائیاں سُن کر دلِ رنجور یاں  مثلِ نقشِ مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

جب اس کی اغیار کے ساتھ لطف کو سنتا ہوں تو دل بیٹھ جاتا ہے جس طرح اس پر کسی غیر کا نقش بیٹھا ہوا ہے۔

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا  رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

وہ پری زاد دوسروں پر عاشق ہو کر کمزور ہو گیا اور رنگ فق ہو جانے سے لاغر بن گیا ہے۔

نقش کو اسکے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں  کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

اس کی تصویر مصور پر بھی ناز کرتی ہے۔ وہ جتنی بھی کوشش کرتا ہے بوجہ نزاکت تصویر تیار کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

سایہ میرا مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے اسد  پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

میرا سایہ مجھ سے اس طرح بھاگتا ہے جس طرح دھواں آگ سے اور حق تو یہ ہے کہ مجھ پُرسوز و غم کے پاس کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔

(۱۴۸)

گرم فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے  تب اماں ہجر میں دی بردِ لیالی نے مجھے

شب غم میں قالین کی تصویر دیکھ کر تو یاد آیا۔ تو میں گرم ہو گیا۔ اور سردی کی راتوں میں آرام پایا۔

نسیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم  لے لیا مجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے

میری بلند ہمتی نے دونوں جہان کا فکر دور کر دیا۔ اور دنیا و عقبیٰ کا اندیشہ ختم ہو گیا۔

کثرت آرائی وحدت ہے پرستاریٔ وہم  کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے

وحدت کو کثرت کے ساتھ شمار کرنا وہم ہے۔ ان خیالی اُلجھنوں نے مجھے
کافر بنا دیا ہے۔

ہوں گلِ نو میں بھی آشفتہ نہ رہا    جب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

بے پر و بالی نے مجھے اتنا آرام دیا کہ میرے دل میں کبھی سیرِ گلستان
کا خیال نہیں آتا۔

(۱۴۹)

کارگاہِ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے    برقِ خرمنِ راحت خونِ گرمِ دہقاں ہے

لالہ کی نمائش داغ سے ہے۔ ہر ایک پھول کے بونے میں دہقان کو
مشقت سے سرگرم ہونا پڑتا ہے۔ لیکن وہی راحت لالہ کے لئے برقِ خرمن ہے۔
جو بادلوں کی صورت میں ابرِ رحمت بن کر برستا ہے۔ اور لالہ کے داغ کو سرسبز
کر دیتا ہے۔

غنچہ تا شگفتن ہا برگِ عافیت معلوم    باوجودِ دلجمعی خوابِ گل پریشاں ہے

پھول کی کلی جب کھلتی ہے سارے برگ بکھر جاتے ہیں۔ اور یہ حالت
ہے کہ پھول کو باوجود دلجمعی کے پریشان ہونا پڑتا ہے۔ غنچہ کو دل سے تشبیہ دی
گئی ہے۔

ہم سے رنجِ بیتابی کس طرح اٹھایا جائے    داغِ پشتِ دستِ عجز شعلہ خس بدنداں ہے

سختی کی تاب نہیں لا سکتے۔ میری عاجزی و بے بسی کو دانتوں میں
لئے بیان کر رہا ہے۔ جس طرح شعلہ خس کو جلا کر فنا کر دیتا ہے اسی طرح رنج
مجھے کا معدوم کر دیگا۔

(۱۵۰)

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب    ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے



ہم ایسے دیوانے ہیں کہ گھر کی بہار کو چھوڑ کر بیاباں میں پھر رہے ہیں۔

(۱۵۱)

سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے    بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

اس کی سادگی پر جان دے دوں مگر مجبور ہوں کیا ہی اچھا ہوتا جو اس
کے ہاتھ میں خنجر نہ ہوتا۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا    میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

محبوب کی تقریر اتنی دلفریب تھی کہ جو کچھ وہ کہتا تھا میں سمجھتا کہ یہ بات
میرے دل سے نکل رہی ہے۔

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ    ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

میرا ذکر مجھ سے اچھا ہے گو وہ برائی سے ہی کیا جاتا ہے کیونکہ میں وہاں
نہیں جا سکتا تھا۔

بس ہجومِ نا امیدی خاک میں مل جائے گی    یہ جو اک لذت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

اے ہجومِ ناامیدی مجھ پر ترس کر۔ ہم جانتے ہیں کہ ہماری کوششیں
بے فائدہ ہیں۔ اور تو ہمیں پامال نہ کرے گی۔

رنجِ رہ کیوں کھینچئے واماندگی کو عشق ہے    اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

میری واماندگی کو اس منزل سے محبت ہے جہاں میں تھک کر بیٹھ جاتا
ہوں اس وجہ سے جو قدم منزل پر پڑتا ہے وہ پھر اٹھ نہیں سکتا۔

جلوہ زارِ آتشِ دوزخ ہمارا دل سہی    فتنۂ شورِ قیامت کس کی آب و گل میں ہے

دل میں دوزخ کی آگ بھڑک رہی ہے مگر بتاؤ یہ فتنۂ شورِ قیامت کس
کی سرشت میں ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارا دل شعلہ زن ہے۔

ہے دلِ شوریدۂ غالب طلسمِ پیچ و تاب    رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

غالب کا شوریدہ دل طلسمِ پیچ و تاب ہے اگر اس پر رحم نہیں آتا تو اپنی تمنا پر رحم کر تو کس کشمکش میں مبتلا ہے۔

(١٥٢)

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

تیری نگاہِ دلدوز نے اتنا کام کیا کہ فی الفور دل سے جگر کے پار ہو گئی اور دل و جگر دونوں کی تسلی کر دی۔

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذتِ فراق تکلیفِ پردہ داریِ زخمِ جگر گئی

اچھا ہوا جو لذتِ فراق سے سینہ شق ہو گیا اور زخمِ جگر کو پردہ داری کی تکلیف سے چھٹکارا ملا۔

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں اُٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

شباب کی مستی دور ہو گئی ہے۔ بیدار ہو جیئے۔ اب خوابِ سحر کی لذت بھی باقی نہیں رہی۔

اُڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں بارے اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی

دل سے بال و پر کی ہوس ہوا ہو گئی۔ اس لئے میری خاک محبوب کی گلی میں اُڑ رہی ہے۔

دیکھو تو دلفریبیِ اندازِ نقشِ پا موجِ خرامِ یار بھی کیا گُل کتر گئی

اُس کے اندازِ نقشِ پا کی دلفریبی سے قدم قدم پر چمن کھل گئے ہیں اور دُنیا فریفتہ ہو رہی ہے۔

ہر بوالہوس نے حُسن پرستی شعار کی اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

بوالہوس بھی عاشق بن گئے تو اہلِ نظر کی عزت کیا رہے گی۔ اور انہیں کون پوچھے گا۔



نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا مستی سے ہر نگہ تیرے رُخ پر بکھر گئی

نظارے نے وہاں نقاب کا کام کیا جب وہ رُخ تک پہنچا تو مستی سے توجہ منتشر ہو گئی۔

فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

کل جب تم گئے تو قیامت بپا ہو گئی۔ اور کل گذشتہ اور فردا یعنی آنے والی کل کا فرق مٹ گیا۔

مارا زمانے نے اسد اللہ خاں تمہیں وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

اسد اللہ خاں تمہیں زمانے نے مار ڈالا۔ وہ جوانی اور ولولے کہاں ہیں جس سے سطوت کا اظہار کرتا تھا۔

(١٥٣)

تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے حورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے

دل کو تسلی ہو یا نہ ہو ہمیں اس کی فکر نہیں۔ بہشت کی حوروں میں اگر تیری سی شکل مل گئی تو تسکین دل نہ سہی ذوقِ نظر تو قناعت کرنے کو مل جائے گی۔

اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

اپنی گلی میں دفن کرنے سے قاتل مشہور ہو گا۔ ایسا نہ کیجو کہ میری قبر کا کھوج لگا کر لوگ آئیں اور تو بدنام ہو۔

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے

ہم روز جی بھر کر شراب نوش کرتے ہیں۔ اے ساقی! تھوڑی سی شراب سے کچھ نہیں بنے گا اپنے نام کو لاج نہ لگا۔ جی بھر کر تم آشنائی کرنے دو۔

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

اے ندیم ہم تجھے کچھ نہیں کہتے۔ اگر نامہ بر مل جائے تو اسے ہمارا اسلام

کہہ دینا۔

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا　　فرصت کشاکشِ غمِ پنہاں سے گر ملے

اگر ہمیں کشاکشِ غمِ پنہاں سے فرصت مل جائے تو ہم بتائیں کہ مجنوں نے ہمارے مقابلہ پر کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں　　جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہمسفر ملے

خضر کی پیروی کی ضرورت نہیں ہے۔ سفر میں ایک ساتھی مل گیا جس طرح ہر جگہ ویسے وہ ہے۔

اے ساکنانِ کوچۂ دلدار دیکھنا　　تم کو کہیں جو غالبِ آشفتہ سر ملے

اے ساکنانِ کوچۂ دلدار اگر کہیں تمہیں غالب مل جائے تو اس کی حالت کو ضرور دیکھنا۔

(۱۵۴)

کوئی دن گر زندگانی اور ہے　　اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

اگر کچھ دن اور زندگی رہی تو ہم بھی کچھ اور ٹھان بیٹھے ہیں۔ یعنی ہمارا ارادہ تم سے بدلہ لینے کا ہے۔

آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں　　سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

آتشِ دوزخ میں بھی سوزِ غم ہائے نہانی کی گرمی اور حدت نہیں ہے۔

بارہا دیکھی ہیں ان کی رنجشیں　　پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے

کئی بار ان کی رنجشوں کو دیکھا مگر اب کے تو بے طرح خفا ہوئے ہیں۔

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر　　کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

نامہ بر خط دے کر منہ دیکھ رہا ہے کہ شاید کوئی زبانی پیغام بھی ہوگا۔ جس میں کہیں برا بھلا کہا ہو۔



قاطعِ اعمار ہیں اکثر نجوم　　وہ بلائے آسمانی اور ہے

ستاروں کی گردش سے زندگی ختم ہوتی ہے مگر عشق تو ایسی بلائے مبرم ہے کہ زندگی کو مرگ بنا دیتا ہے۔

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام　　ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

غالب نے عشق کی ساری تکلیفیں برداشت کریں اب موت رہ گئی ہے جو کسی نہ کسی دن ناگہاں آ جائے گی۔

(۱۵۵)

کوئی امید بر نہیں آتی　　کوئی صورت نظر نہیں آتی

میری نہ کوئی امید پوری ہوئی اور نہ پورے ہونے کی صورت معلوم ہوتی ہے۔

موت کا ایک دن معین ہے　　نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

موت تو اپنے معین وقت پر آئے گی۔ نیند کو کیا ہو گیا وہ فکر میں کیوں اڑ گئی۔ اور آنے کا نام نہیں لیتی۔

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی　　اب کسی بات پر نہیں آتی

پہلے تو اپنے دل کی آوارگی پر ہنسی آتی تھی۔ اب یہ عالم ہے کہ اس پہ بھی نہیں آتی۔ خبر نہیں کیا ہوا۔

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد　　پر طبیعت ادھر نہیں آتی

زہد و پارسائی کے ثواب کو جانتا ہوں۔ لیکن طبیعت کو رغبت نہیں کہ اس طرف متوجہ ہو۔

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں　　ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

عشق نے طاقت نہیں رہنے دی۔ خاموش ہوں۔ ورنہ منہ میں زبان رکھتا ہوں۔

کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں — میری آواز گر نہیں آتی

میرا رونا سنائی نہیں دیتا تو وہ مجھے یاد کرتے ہیں کہ آج کیا بنی۔ اس لئے نالہ کشی ہو رہی ہے یہاں۔

داغِ دل گر نظر نہیں آتا — بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

اگر میرا داغِ دل دکھائی نہیں دیتا تو کیا میرے اندازِ جنوں سے محبت کی بو بھی نہیں آتی۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی — کچھ ہماری خبر نہیں آتی

ہم ایسے عالمِ مدہوشی میں ہیں جہاں اپنے حال کی بھی خبر نہیں آتی۔

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی — موت آتی ہے پر نہیں آتی

انتظارِ موت میں ہوں۔ مجھے موت آتی ہے۔ مگر لذتِ شوق کو موت نہیں آتی۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب — شرم تم کو مگر نہیں آتی

غالب! ساری عمر تو بت پرستی کرتے رہے ہو۔ شرم کرو۔ اب تم جانے کا ارادہ نہ کرو۔

(۱۵۶)

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے — آخر اس درد کی دوا کیا ہے

اے نادان دل یہ تو بتا کہ تجھے کونسی بیماری ہے۔ اگر مرض ہے تو اس کا کوئی علاج بھی ہوگا۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار — یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

یہاں الٹی حالت ہے ہم اس کے مشتاق ہیں اور وہ ہم سے بیزار ہے۔



میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں — کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

کاش تم مجھ سے کسی دن میرا مدعا پوچھ لیتے تو پھر میں تم سے بیان کرتا کہ کس طرح شب مٹا سکتا ہوں۔

جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود — پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

اے خدا اگر تیرے سوا اور کوئی نہیں تو یہ دلفریب ہنگامہ ہستی کیا ہے۔

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں — غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

یہ حسین لوگ کیسے ہیں۔ اور ان کے ناز و ادا میں کونسی بلا چھپی ہے۔

شکنِ زلفِ عنبریں کیوں ہے — نگہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے

آنکھ سرمگیں کیوں ہے اور زلف کی شکن کس لئے عنبر بیز ہے۔

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں — ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

یہ سبزہ زار اور رنگ برنگ کے پھول۔ کالی گھٹائیں اور دھیمی دھیمی کشش پذیر ہوا کیا۔ تعجب ہے۔

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید — جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

ایسے جفاکار سے واسطہ پڑا ہے جو وفا کا نام تک نہیں جانتا۔

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا — اور درویش کی صدا کیا ہے

فقیر کی یہی صدا ہے کہ جو بھلا کرے خدا تیرا بھلا کرے گا۔

جان تم پر نثار کرتا ہوں — میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

میں کوئی دعا نہیں مانگتا۔ جان فدا کئے دیتا ہوں۔

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب — مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

غالب اگرچہ بالکل نکما ہے لیکن بے قیمت کا خدمت کرنے والا

(۱۵۷)

کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے — اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے

تم کہتے ہو کہ عنبریں زلفوں والا محبوب آجائے۔ لیکن کیا ہی اچھا ہو کہ تمہاری زبان سے گھبراہٹ سے نکلے کہ لو وہ آرہے ہیں۔

ہوں کشمکش نزع میں ہاں جذب محبت — کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

نزع کی کشمکش میں ہوں۔ طاقت گویائی نہیں وہ کسی طرح یہاں آجائے خواہ گفتگو تک نہ کرسکوں۔ دیکھ کر دل کو تسکین تو دوں۔

ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم — آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے

محبوب کا آنا برق، شعلہ اور سیماب کی طرح ہے میری سمجھ میں آتا ہے کہ وہ نہیں آیا۔ گو آ بھی جائے تو میرا خیال یہی رہے۔

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین — ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

شراب نوشی کا یہ فائدہ ضرور ہے کہ اس کی بو سے نکیرین بھاگ جائیں گے اور پرسش سے بچ جاؤں گا۔

جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے — ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں جو آئے

تو ہی جلاد اور واعظ کی شکل میں جلوہ فرما ہے ہم دھوکہ نہیں کھاتے نہ جلاد سے لڑتے اور نہ واعظ سے جھگڑتے ہیں۔

ہاں اہل طلب کون سنے طعنۂ نایافت — دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

اے اہل طلب جب باوجود تلاش کے محبوب نہ ملا۔ تو ہم محو تشنگی میں اپنے آپ سے کھوئے گئے۔ ورنہ لوگ طعنہ دیتے۔

اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں — اس در پہ نہیں بار تو کعبہ ہی کو ہو آئے

ہم تلاش و جستجو میں آرام سے نہ بیٹھ سکے کہیں نہیں نہ چلا تو کعبہ کو چلے گئے

[illegible]



کی ہمنفسوں نے اثر گریہ میں تقریر — اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے

میرے دوستوں نے میری آہ و زاری کا اس سے ذکر کیا۔ تو پتہ چلا کہ کتنا با اثر ہوں۔ دوستوں نے احسان کیا مگر میں شرم سے ڈوب گیا۔ اب نالہ و فریاد کی دھمکی بھی نہیں دے سکوں گا۔

اس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب — ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

انجمن ناز کا کیا ذکر۔ وہاں گئے تیری تقدیر پہ رنج کیا کہ غالب کا اس انجمن میں گذر کیوں نہیں ہوا۔

(۱۵۸)

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے — سینہ جویائے زخم کاری ہے

دل کو پھر ایک بیقراری سی ہے اور سینہ زخم کاری کا خواہشمند ہے۔

پھر جگر کھودنے لگا ناخن — آمد فصل لالہ کاری ہے

بہار کی آمد میں میرے ناخن پھر جگر کاوی کرنے لگے ہیں۔

قبلۂ مقصد نگاہ نیاز — پھر وہی پردۂ عماری ہے

پھر محبوب کی عماری کا پردہ نیاز کشی کا قبلہ یا مقصد بنا ہوا ہے۔

چشم دلال جنس رسوائی — دل خریدار ذوق خواری ہے

آنکھ دلالی کر رہی ہے اور دل ذوق خواری اور رسوائی کا خریدار ہے۔

وہی صد رنگ نالہ فرسائی — وہی صد گونہ اشکباری ہے

اسی قسم کی نالہ کشی اور سینکڑوں طرح سے اشک ریزی ہوتی ہے۔

دل ہوائے خرام ناز سے پھر — محشرستان بیقراری ہے

دل میں خرام ناز کی خواہش نے کشمکش پیدا کر رکھی ہے۔ اور بیقراری قیامت بپا کر ڈالی ہے۔

جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے ‏ ‏ روز بازار جاں سپاری ہے

جلوہ یار نے پھر سے بازار جاں سپاری کو آب و تاب بخشی ہے۔

پھر اسی بیوفا پہ مرتے ہیں ‏ ‏ پھر وہی زندگی ہماری ہے

پھر اُسی بے وفا پر فدا ہوتے ہیں اور پھر وہی ہماری زندگی کا رنگ ڈھنگ ہے۔

پھر کھلا ہے در عدالت ناز ‏ ‏ گرم بازار فوجداری ہے

عدالت ناز کا اجلاس ہو رہا ہے اور فوجداری مقدمات پیش ہیں۔

ہو رہا ہے جہان میں اندھیر ‏ ‏ زلف کی پھر سرشتہ داری ہے

آج کل پھر زلف پیشکار بن کر ظلم و ستم کر رہی ہے۔

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال ‏ ‏ ایک فریاد و آہ و زاری ہے

پارۂ دل نے پھر آہ و زاری کے خلاف درخواست دی ہے۔ اور فریاد و زاری کا عالم ہے۔

پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب ‏ ‏ اشکباری کا حکم جاری ہے

درخواست پر پھر گواہ عشق طلب ہوئے ہیں اور آنسوؤں کو حاضری کا حکم جاری ہوا ہے۔

دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا ‏ ‏ آج پھر اس کی روبکاری ہے

دل و مژگاں کے مقدمہ کی آج پھر پیشی ہے۔

بیخودی بے سبب نہیں غالب ‏ ‏ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اے غالب تیری بیخودی عشق کی وجہ سے ہے۔ تم اس کو چھپاتے ہو اصل میں دل کا قصور ہے مژگاں کا نہیں۔

(۱۵۹)

جنوں تہمت کش تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی ‏ ‏ نمک پاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی

اے جنوں یہ خوشی ہے کہ تیری تسکین کی تہمت باعث ننگ ہے اور اگر ہم تھوڑی سی لذت اُٹھائیں تو وہ ہمارے زخموں کے لئے باعث نمک پاشی بن جائے گی۔

کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعی آزادی ‏ ‏ ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی

علائق ہستی سے باوجود کوشش کے کوئی آزاد نہیں ہو سکتا۔ جس طرح پانی باوجود کشاکش کے موجوں کی زنجیر میں اسیر رہتا ہے۔

پس از مردن بھی دیوانہ زیارتگاہ طفلاں ہے ‏ ‏ شرار سنگ نے تربت پہ میری گل فشانی کی

دیوانے کی قبر پہ لڑکے پتھر مار رہے ہیں مگر ان شراروں سے میری تربت پر پھول برستے رہتے ہیں۔

(۱۶۰)

نکوہش ہے سزا فریادی بیداد دلبر کی ‏ ‏ مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبح محشر کی

جو محبوب سے فریاد کا ارادہ کرے اُس پر ملامت ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ صبح محشر کو عدالت کے دن مذاق اُڑایا جائے۔

رگ لیلیٰ کو خاک دشت مجنوں ریشگی بخشے ‏ ‏ اگر بووے بجائے دانہ دہقاں نوک نشتر کی

اگر دہقان دشت مجنوں میں بجائے دانے کے نشتر کی نوک بووے۔ تو لیلیٰ کی رگوں میں یقیناً اُس کا اثر باقی رہے گا۔

پر پروانہ شاید بادبان کشتی مے تھا ‏ ‏ ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دور ساغر کی

شاید پروانہ کا پر کشتی مے کے لئے بادبان تھا۔ کیونکہ دور ساغر کے آغاز سے ہی محفل گرم ہو گئی۔

کروں بیداد ذوق پرفشانی عرض کیا قدرت ‏ ‏ کہ طاقت اُڑ گئی اُڑنے سے پہلے میرے شہپر کی

اُڑنے سے پہلے ہی میرے [illegible] طاقت نہ رہی۔ اب اُڑ نہیں سکتا۔
مجبور ہوں۔ شوق نے مجھ پر اتنا ظلم کیا ہے۔

کہاں تک روؤں اُس کے خیمے کے پیچھے قیامت ہے — مری قسمت میں یا رب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

محبوب کے خیمے کے پیچھے کہاں تک روتا رہوں۔ کیا میری قسمت میں خدا نے پتھر کی دیوار نہیں لکھی تھی۔ تاکہ اس سے سر پھوڑ کر مر جاتا۔

(۱۶۱)

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے — جتنے زیادہ ہو گئے اُتنے ہی کم ہوئے

اپنی بے اعتدالیوں کی وجہ سے سب کی نظروں سے گر گئے۔ جتنے ہم اس کے نزدیک ہوئے عزت کم ہوتی گئی۔

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے — اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

شکاری نے ہمارے آشیانہ کے قریب جال چھپا رکھا تھا۔ اسی لئے ہم نے جب اُڑنے کی ٹھانی فوراً اسیر ہو گئے۔

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے — یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

ہماری ہستی برائے نام ہے اور وہ صرف اس قدر کہ ہم اس کی قسم کھا سکیں۔

سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر — وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

جو لوگ مدت سے عشق کی سختیاں اُٹھا رہے ہیں وہ سراپا الم بن کر [illegible] ہو گئے ہیں۔

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں — تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

تیری وفا شعاری سے ہماری تلافی نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم پہ بے شمار ستم کرنے والے ہیں۔

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خونچکاں — ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

ہم جنوں کی خونچکاں حکایات اس وقت لکھتے رہے جب تک ہاتھ قلم نہ ہو جائے۔

اللہ رے تیری تندیٔ خو جس کے بیم سے — اجزائے نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوئے

اللہ رے بد مزاجی جس کے خوف سے نالہ دل کے اجزا دل میں جذب ہو کر غذا بن گئے ہیں۔

اہل ہوس کی فتح ہے ترک نبردِ عشق — جو پاؤں اُٹھ گئے وہی اُن کے علم ہوئے

اہل ہوس کو میدان عشق سے کنارہ کرنے سے ہی نصرت ملے گی اُن کے جو پاؤں اُٹھے ہیں وہی اُن کے فتح کے نشان ہیں۔

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے — جو واں نہ کھنچ سکے سو وہ یاں آ کے دم ہوئے

عدم میں چند نالے ہمارے سپرد کئے گئے تھے جو وہاں نہ کھینچ سکے۔ اس لئے دُنیا میں آکر ہم نالہ کشی کر رہے ہیں۔

چھوڑی اسدؔ نہ ہم نے گدائی میں دل لگی — سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

ہم نے فقیری کی حالت میں بھی دل لگی کی عادت نہ چھوڑی اور اہل کرم کے عاشق بن کر محو جستجو ہیں۔

(۱۶۲)

جو نہ نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاسبانی — تو فسردگی نہاں ہے بہ کمین بے زبانی

اگر میرے داغ دل کی شعلۂ عشق پاسبانی نہ کرے۔ تو افسردگی گھات میں چھپ کر اسے اڑا لے جائے۔

مجھے اس سے کیا توقع بزمانۂ جوانی — کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی

جس نے بچپن میں میری کہانی نہ سنی کیا وہ جوانی میں میری تمنائیں پوری کرے گا؟

دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے — نشہ باندازۂ خمار نہیں ہے

حیات دہر کے بعد جنت ملے گی۔ لیکن اس کے خمار کے مقابلہ میں وہ شراب بہت کم ہے۔ یعنی ابدی عیش سے تسلی نہیں ہو سکتی۔

گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو — ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

افسوس مجھے رونے پر اختیار نہیں اسی لئے نالہ و فریاد مجھ کو تیری بزم سے نکال باہر کر رہا ہے۔

ہم سے عبث ہے گمان رنجش خاطر — خاک میں عشاق کے غبار نہیں ہے

ہم پہ رنجیدگی کا گمان غلط۔ ہماری خاک میں بھی رنج کا نام و نشان نہیں ہے۔

دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے معانی — غیر گل آئینۂ بہار نہیں ہے

اگر معنی کا لطف حاصل کرنا ہے تو دل سے کرو۔ پھول تو بہار کا آئینہ ہیں جن سے بہار نظر آتی ہے۔

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے — وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

محبوب نے ہمارے قتل کا ارادہ تو کر لیا ہے۔ مگر اس کا ارادہ پختہ نہیں ہے۔

تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب — تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

غالب تو نے شراب نوشی کی قسم کھائی ہے لیکن مجھے تیری قسم کا اعتبار نہیں ہے۔

(۱۶۵)

ہجوم غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے — کہ تار دامن و تار نظر میں فرق مشکل ہے

ہجوم غم سے میری گردن اس قدر جھکی ہوئی ہے۔ کہ میرا دامن اور



تار نظر ایک معلوم ہوتے ہیں۔

رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی — سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

رفوئے زخم کا یہ مطلب نہیں کہ دیوانہ عشق کو درد کا خیال نہیں بلکہ سوئی سے تازہ زخموں کی لذت حاصل کرنا ہے۔

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب — چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

محبوب جس باغ میں پہنچے وہاں غنچے کے کھلنے کو خندۂ دل سمجھنا چاہئے۔ جس سے اس کی خوشی کا پتہ چلتا ہے۔

(۱۶۶)

پا بدامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد — خار پا ہیں جوہر آئینۂ زانو مجھے

مجھ صحرا نورد کے پاؤں میں کانٹے چبھے ہیں جن کا اثر میرے زانو تک محسوس ہو رہا ہے اور میں تھک کر بیٹھ گیا ہوں۔

دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت — ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر مو مجھے

میرے دل کی کیفیت کا ہم آغوشی کے وقت اندازہ کرنا۔ کیونکہ میری نگاہ کو تیری حقیقت سے آشنائی ہے۔

ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ — ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

میں شکایات سے لبریز باجہ ہوں۔ مجھے نہ چھیڑنا۔ ورنہ میری زبان گلے کرنے لگ جائے گی۔

(۱۶۷)

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے — جاں کالبد صورت دیوار میں آوے

تو جس مجلس میں ناز سے بے حد تیز گفتگو کرے۔ دیواروں پر بنی ہوئی تصاویر میں بھی روح موج زن ہو جائے۔

سایہ کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر تو اس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے

محبوب قد کی دلکشی کو لے کر باغ میں پہنچے تو سرو و صنوبر غایت عشق میں تیرے سایہ کی مانند ساتھ ساتھ پھریں۔

تب نازِ گراں مایگیِ اشک بجا ہے جب لختِ جگر دیدۂ خونبار میں آوے

آنسو اُس حالت میں اپنی گراں مائگی پر نازاں ہوں جب دیدۂ خونبار میں لختِ جگر بہتے ہوئے جاری ہوں۔

دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے

اے ستمگر! اگر تجھے میرے ستانے میں لطف ملتا ہے تو ذرا شکایت کا موقع تو دے دے۔

اُس چشمِ فسوں گر کا اگر پائے اشارہ طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے

وہ چشم فسوں گر سے اگر اشارہ بھی کر دے تو آئینہ طوطی کی طرح باتیں کرنے لگ جائے۔

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب اک آبلہ پا وادیِ پُرخار میں آوے

اے خدا معلوم ہوتا ہے کہ کانٹوں کی زبان پیاس سے خشک ہو گئی ہے اور وہ کسی آبلہ پا کے وادی میں آنے کی آرزومند ہے۔

مر جاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تنِ نازک آغوشِ خمِ حلقۂ زنار میں آوے

رشک میں کیوں نہ مر جاؤں۔ جب وہ نازک بدن [illegible] آغوش حلقۂ زنار میں آجائے۔

غارتگرِ ناموس نہ ہو گر ہوسِ زر کیوں شاہدِ گل باغ سے بازار میں آوے

اگر دولت کی ہوس ناموس کو غارت نہ کرے تو پھول باغ سے نکل کر بازار میں کیوں رسوا ہو کر فروخت ہوتے۔

تب چاکِ گریباں کا مزا ہے دلِ ناداں جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آوے

اے دل ناداں! چاک گریباں کا لطف تو جب ہے کہ نفس بھی تارِ گریباں سے الجھا ہوا ہے۔ اور نفس [illegible] کا خاتمہ ہو جائے۔

آتشکدہ ہے سینہ مرا رازِ نہاں سے اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے

رازِ عشق نے میرے سینہ کو آتشکدہ بنا دیا ہے۔ اور میں اس کو خاموشی سے چھپا رہا ہوں۔ اُس کا عوام کو پتہ نہ لگنا چاہئے۔

گنجینۂ معنی کا طلسم اُس کو سمجھئے جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

اے غالب جو الفاظ میرے اشعار میں آئیں وہ خزانۂ معنی کا طلسم ہیں۔

(۱۶۷)

حسنِ مہ گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے اس سے میرا مہِ خورشید جمال اچھا ہے

چودھویں کا چاند اگرچہ اچھا ہے مگر میرا محبوب اس سے بھی جمال افروز ہے۔

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

بوسہ دیتے میں تو عار ہے اور دل کی طرف توجہ ہے۔ شاید جی میں آیا ہے کہ مفت مال ملے تو بہتر ہے۔

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

ساغرِ جم بازار سے مل نہیں سکتا۔ مٹی کا پیالہ اس سے بہتر ہے اگر ٹوٹ گیا تو اور بازار سے لے آئیں گے۔

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

سائل کو بغیر مانگے اگر کوئی شے مل جائے تو تب مزا ہے۔ اگر مانگنے سے ملے تو عزت کیا باقی رہ گئی۔

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق — وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

جب بیمار عشق پر رحم کھا کر حال دیکھنے آتے ہیں تو میرا چہرہ پُر رونق ہو جاتا ہے۔ اس سے انہیں میری بیماری بناوٹی معلوم ہوتی ہے۔

دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض — اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

ایک نجومی نے کہا ہے کہ یہ سال بہتر ہے۔ دیکھیے عشاق کو معشوقوں سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔

ہم سخن تیشے نے فرہاد کو شیریں سے کیا — جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے

فرہاد کو تیشے نے کوہکنی پر مائل کیا اور وہ اپنے کمال حُسن کی وجہ سے شیریں سے ہمکلام ہوا۔

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے — کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

وہ کام جس کا نتیجہ بہتر ہو اچھا ہے۔ جیسے قطرہ اپنے آپ کو مٹاتے ہوئے دریا میں جذب ہو کر دریا بن جاتا ہے۔

خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز — شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

خدا تعالے بہادر شاہ ظفر کے فرزند خضر سلطان کو سلامت رکھے۔ شاہی خاندان میں یہ تازہ اضافہ ہے۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن — دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

اے غالب! ہمیں جنت کی حقیقت کا علم ہے۔ وہ صرف یہ ہے کہ اس سے دل خوش رہتا ہے۔

(۱۶۹)

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی — امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

اگر میرے مرنے سے تسلی نہ ہو۔ تو کوئی اور سخت امتحان لے لینا ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں۔

خار خار الم حسرت دیدار تو ہے — شوق گلچین گلستان تسلی نہ سہی

میرے جذبہ شوق کو گلستان کی گلچینی سے تسلی نہیں ہے تو خار حسرت دیدار میں مصروفیت تو ہے۔

مے پرستاں خم مے منہ سے لگائے ہی بنے — ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی

بزم میں آج ساقی نہیں ہے۔ تو کیا ہوا اپنے آپ خم منہ سے لگا کر پی لیں گے۔

نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا — گر نہیں شمع سیہ خانہ لیلی نہ سہی

قیس کی شعلہ بار آہوں سے صحرا روشن ہے۔ اگر یہ شمع نما آہیں لیلے کے سیہ خانے سے نہیں آئی ہیں تو نہ سہی۔ لیلا رات کو کہتے اور وہ تھی بھی سیاہ فام۔ اس لئے سیہ خانہ کہا ہے۔

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق — نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

گھر کی رونق ایک ہنگامہ سے ہے۔ نغمہ شادی نہ ہو تو نوحہ غم بھی کم شان نہیں رکھتا۔

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا — گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

نہ داد ملنے کی پروا ہے اور نہ انعام کی خواہش ہے۔ میرے اشعار کو لوگ بے معنی کہتے ہیں تو کہتے رہیں۔

عشرت صحبت خوباں ہی غنیمت سمجھو — نہ ہوئی غالب اگر عمر طبیعی نہ سہی

غالب اگر طبعی عمر تک نہیں پہنچ سکا تو کیا۔ جس قدر عمر گذری وہ تو معشوقوں کی صحبت میں گذری ہے۔

بہ نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے — کہ اپنے سایے سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے

یہ کیا کم خوشی کا مقام ہے کہ ہم جلاد کے آگے آگے جا رہے ہیں اور خوشی میں سایہ سے ہمارا پاؤں دو قدم آگے بڑھ رہا ہے۔

قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت — فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

تقدیر خراب بادۂ الفت میں لکھنا چاہتی تھی۔ اسی لئے خراب لکھنے پر رک گئی چنانچہ اب مجھے لوگ سرگشتہ سمجھتے ہیں۔

غم زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی مستی — وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے

زمانہ کے غموں نے خمارِ عشق کو توڑا۔ ورنہ ہم غم سے لذت یاب ہو سکتے رہا کرتے۔

خدا کے واسطے داد اس جنونِ شوق کی دینا — کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

ادھر نامہ بر کو خط دیتے ہیں اور ادھر ہم اس سے پہلے اس کے در دولت پر پہنچ جاتے ہیں۔ خدا کے لئے جنونِ شوق کی داد تو دو۔

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے — تمہارے آئیو اے طرہ ہائے خم بہ خم آگے

ساری عمر پریشانیوں کا سامنا کیا ہے۔ خدا کرے خم دار گیسو تیرے آگے آئیں۔ اور تو بھی عاشق بن جائے اور پریشانیاں تمہارے پیش آئیں۔

دل و جگر میں پرافشاں جو ایک موجۂ خوں ہے — ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے

دل و جگر میں سانس کو موج خیز سمجھتے تھے۔ مگر وہاں تو موجِ خون جوش مار رہا ہے۔

قسم جنازہ پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب — ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

اے غالب! ایک وقت تھا جب وہ میری جان کی قسم کھاتے تھے اور آج جنازہ پر آنے کی قسم — کتنا انقلاب ہے۔



(۱۶۱)

شکوہ کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے — یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیئے تو گلا ہوتا ہے

اس بے وفا کے سامنے اگر شکوہ کروں تو ناراض ہو جاتا ہے۔ اور اسے رنج ہوتا ہے۔

پُر ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا — اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

شکوؤں سے ایسا بھرا ہوا ہوں جیسے راگ سے باجا۔ ذرا چھیڑیئے اور شکوؤں کا مزا لیجئے۔

گو سمجھتا نہیں پر حسنِ تلافی دیکھو — شکوۂ جور سے سرگرمِ جفا ہوتا ہے

وہ میرے شکوؤں کو سمجھتا نہیں مگر اس کی تلافی میں سرگرم مائل ہو کر جفا کار بن جاتا ہے۔ عجیب حسن خیال ہے۔

عشق کی راہ میں ہے چرخِ مکوکب کی وہ چال — سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

عشق کے راستے میں آسمان اس سست رفتاری سے چل رہا ہے جیسے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہوں۔ یعنی جدائی کی راتیں لمبی ہوتی ہیں۔

کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ ناوکِ بیداد کہ ہم — آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

آخر ہم اس سفاک کا نشانہ کیوں نہ بنیں۔ اگر اس کا کوئی تیر خطا ہوتا ہے تو ہم اسے اٹھا لاتے ہیں تاکہ پھر ہمارے دل کا نشانہ باندھے۔

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ — کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

ہم پہلے سے ہی اپنے بدخواہ ہوتے تو کتنا بہتر تھا۔ بھلا چاہتے تو برا ہوتا ورنہ برا سوچتے تو بھلا ہوتا۔

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب — لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

کسی زمانہ میں میرے نالہ کی عرش تک رسائی تھی۔ مگر اب ضعف سے

رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی  تو کس اُمید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

ختم کر نے میری کونسی آرزو پوری کر دی طاقت گفتار نہ ہونے پر اب کس سے کیا اُمید کروں۔

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا  وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

غالب! تو بادشاہ کا مصاحب ہونے پر اترا رہا ہے وگرنہ شہر میں تجھے کون پوچھتا ہے۔

(۱۶۳)

میں اُنہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں  چل نکلتے جو مے پیے ہوتے

میں اُن سے چھیڑ چھاڑ کروں اور وہ چپ رہیں۔ اگر شراب میں مست ہوتے تو پھر ہماری خیر نہ تھی۔

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو  کاش کے تم مرے لئے ہوتے

تم قہر آلودہ رہو یا مصیبت لاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی حالت میں دوسروں کے لئے کوئی غضب ڈھاؤ۔

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا  دل بھی یا رب کئی دئے ہوتے

میرے مقدر میں اتنا بے اندازہ غم لکھا تھا تو ایک دل کیوں دیا کئی دل دئے ہوتے۔

آ ہی جاتا وہ راہ پر غالب  کوئی دن اور بھی جئے ہوتے

اے غالب کچھ دن اور زندہ رہتے تو وہ کسی نہ کسی دن ضرور راہ پر آجاتا۔

(۱۶۴)

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے  ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

تیری محفل میں مخالف شراب چڑھائیں۔ اور ہماری بات ہی نہ پوچھی جائے۔ اچھی بے رُخی ہے۔

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ  ہتھکنڈے ہیں چرخِ نیلی فام کے

ٹوٹے دل کا کس کو شکوہ سنائیں۔ یہ تو چرخِ کج رفتار کا ستم ہے۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو  ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

مطلب کچھ بھی نہ ہو تو بھی تمہیں خط ضرور لکھیں گے۔ ہم تمہارے نام کے عاشق ہیں بار بار خط لکھ کر تیرے نام کی مشق کرتے رہیں گے۔

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم  دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

رات تو زمزم پہ بیٹھ کر شراب پی۔ اور صبح کو اسی پانی سے جامۂ احرام کے دھبے صاف کئے۔

دل کو آنکھوں نے پھنسایا کیا مگر  یہ بھی حلقے ہیں تمہارے نام کے

میرے دل کو تمہارا عشق آنکھوں کی وجہ سے ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری آنکھیں تیرے دامِ حسن کے حلقے ہیں۔

شاہ کی ہے غسلِ صحت کی خبر  دیکھئے کب دن پھریں حمام کے

دیکھئے بادشاہ کب غسلِ صحت کرتے ہیں اور کب حمام کے اچھے دن آتے ہیں۔

عشق نے غالب نکما کر دیا  ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

غالب! ہم کو عشق نے نکما کر دیا ہے ورنہ ہم بھی اچھے بھلے کام کے آدمی تھے۔

(۱۶۵)

پھر اس انداز سے بہار آئی  کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

پھر بہار اس انداز سے آئی ہے کہ چاند اور سورج اس کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔

دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک — اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

دنیا کے رہنے والو دیکھو، عالم آرائی اسے کہتے ہیں۔

کہ زمیں ہو گئی ہے سرتا سر — روکشِ سطحِ چرخِ مینائی

بہار کی وجہ سے زمین سبزہ زار ہو کر آسمان کو مات کر رہی ہے۔

سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی — بن گیا روئے آب پر کائی

سبزہ کا یہ عالم کہ جب اُسے تختۂ زمین پر کوئی جگہ نہ ملی تو سطحِ آب پر کائی کی صورت میں جلوہ نما ہو گیا۔

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے — چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی

سبزہ و گل کے نظارہ سے لطف حاصل کرنے کے لئے نرگس کی آنکھ کو بینائی عطا ہوئی ہے۔

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر — بادہ نوشی ہے باد پیمائی

موسم نے ہوا میں شراب کی تاثیر پیدا کر دی ہے۔ اب شراب خوری فضول ہے۔

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالبؔ — شاہِ دیندار نے شفا پائی

دُنیا کی مسرت بادشاہ عالم پناہ کی صحت یابی کی وجہ سے ہے۔

(۱۷۶)

تغافل دوست ہوں میرا دماغِ عجز عالی ہے — اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے

میرا دماغ اتنا بلند ہے کہ تغافل کو دوست رکھتا ہوں۔ اگر مجھ سے پہلو تہی کرتے تو میں سمجھوں کہ محبوب نے میرے لئے جگہ خالی کر دی ہے۔

رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے — بھرے ہیں جس قدر جام و سبو مے خانہ خالی ہے

دُنیا آباد ہے مگر اس میں اہلِ ہمت نہیں رہے۔ یعنی میخانہ میں شراب ندارد لیکن جام و سبو لبریز موجود ہیں۔

(۱۷۷)

کب وہ سنتا ہے کہانی میری — اور پھر وہ بھی زبانی میری

میری کہانی کون سنتا ہے اور پھر میری زبان سے سننے کی کسے تاب ہے۔

خلشِ غمزۂ خونریز نہ پوچھ — دیکھ خونابہ فشانی میری

یہ کیوں پوچھتا ہے کہ غمزۂ خونریز نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ میری خونیں اشک ریزی کو تو دیکھو۔

کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار — مگر آشفتہ بیانی میری

لوگ میری موت پر کونسی خوبی یاد کر کے روئیں گے۔ صرف یہ آشفتہ بیانی ہی ہے جسے یاد کریں گے۔

ہوں ز خود رفتۂ بیدائے خیال — بھول جانا ہے نشانی میری

میں محبوب کے خیال میں از خود رفتہ ہو گیا۔ میری گم گشتگی دیوانے پن کا نشان ہے۔

متقابل ہے مقابل میرا — رک گیا دیکھ روانی میری

محبوب میرا مقابل ہے جس کو دیکھ کر میری حاضر جوابی ختم ہو گئی ہے۔

قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں — سخت ارزاں ہے گرانی میری

پتھر کی طرح راستے میں بے قدری سے پڑا ہوں۔ میرا بوجھل ہونا ہی ارزانی کی دلیل ہے۔

گرد بادِ رہِ بیتابی ہوں — صرصرِ شوق ہے بانی میری

بیتابی کا ایک بگولا ہوں شوق سے میری یہ شکل بن گئی ہے۔

دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا — کھل گئی ہیچمدانی میری

میں نے اس کے دہن کی تلاش کی تو اس کا پتہ نہ چلا اور میں ہیچمداں بن گیا۔

کر دیا ضعف نے عاجز غالبؔ — ننگِ پیری ہے جوانی میری

کمزوری نے یہاں تک عاجز و نزار کر ڈالا کہ جوانی کی حالت میں بھی ضعیفی کے لئے باعث شرم ہوں۔

(۱۷۸)

نقشِ نازِ بتِ طناز بآغوشِ رقیب — پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے

محبوب کی تصویر آغوشِ رقیب میں چاہتی ہے کہ مانی (مصور) میرا نقش بناتے ہوئے قلم کو بجائے پائے طاؤس سے کام لے۔

تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے — غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

تو ایسی بری عادت والا ہے کہ میری حیرت کو تماشا خیال کرتا ہے کیونکہ غم کا فسانہ آشفتہ بیانی کا طالب ہے۔

وہ تپِ عشق تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع — شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

تپ عشق میں اس قدر تمنا رکھتا ہوں کہ شمع کی صورت سے شعلہ بن کر جگر تک کو پھونک ڈالوں۔

(۱۷۹)

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے — ہر غنچہ کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

غنچے جو کھلتے ہیں وہ بجوش شوق میں تیری جستجو سے آغوش وا کرتے ہیں اس لئے گلستان کو تجھ سے ملنا راس آیا ہے۔

واں کنگرِ استغنا ہر دم ہے بلندی پر — یاں نالہ کو اور اُلٹا دعوائے رسائی ہے

وہاں کنگرہ استغنا بلند تر ہوتا ہے اور یہاں نالہ دعوے کر رہا ہے کہ یہ میری رسائی کی وجہ سے ہے۔

از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے — جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

غم مجھ کو ضبط کا طریقہ سکھاتا ہے اور ہر ایک داغ سے چشم نمائی کا کام لیا جاتا ہے۔

(۱۸۰)

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی — لکھ دیجیو یا رب اُسے قسمت میں عدو کی

اے خدا جس زخم کا علاج ہو سکتا ہے وہ میرے رقیب کے مقدمہ میں لکھ دینا۔ میں ایسے زخم چاہتا ہوں جو اچھا نہ ہو سکے۔

اچھا ہے سرِ انگشتِ حنائی کا تصور — دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

یہ اچھا ہے کہ محبوب کی حنائی انگشت کا تصور کئے رہوں۔ کیونکہ اس سے دل میں لہو کی بوند تو نظر آتی رہے گی۔

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے — یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

عاشقوں کی بے صبری سے کیوں خوف کھاتے ہو۔ دنیا میں کوئی کسی کی فریاد سننے والا ہی نہیں ہے۔

دشنہ نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو — خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

دشنے نے جگر کے کبھی منہ نہ لگائے ہوں گے۔ اور خنجر نے اس کی گردن پر کوئی وار نہ کیا ہوگا۔

صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالبؔ — حسرت میں رہے ایک بتِ عربدہ جو کی

غالب! اُس ناکام پر سخت افسوس ہے جو شوق کی حسرت میں عمر بھر

ذرا اپنی شکل تو دیکھیں کس منہ سے خوبرو پہ مر رہے ہیں۔

(۱۸۴)

ہر قدم دوریِ منزل ہے نمایاں مجھ سے     میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

ہر قدم پہ دوریِ منزل کا خوف طاری ہے۔ میری رفتار میں اتنی تیزی ہے کہ میں بھاگتا ہوں اور بیابان دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

درسِ عنوانِ تماشا بہ تغافل خوشتر     ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے

رشتۂ شیرازۂ مژگان استعارہ ہے دیدار سے جس کا لطف اسی بات میں ہے کہ ہم اُسے دیکھیں اور وہ ہمیں دیکھنے سے لاعلم رہے۔

وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں     صورتِ دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے

شبِ تنہائی میں دل کی آتش اور وحشت سے سایہ بھی دھوئیں کی طرح بھاگتا ہے۔

غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموزِ بتاں     کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

عاشقوں کا غم خوبروؤں کو سادگی نہ سکھائے۔ اسی لئے آئینہ میرے دیکھنے پر افسوس کر رہا ہے۔ یعنی میرے غم میں اس نے زینت ترک کر دی ہے۔

اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں     صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

صحرائے جنوں کے راستے میں میرے پاؤں کے آبلوں سے گوہر کی لڑی کی طرح چراغاں کا عالم پیدا ہو گیا ہے۔ اور نقش چمک رہے ہیں۔

بے خودی بسترِ تمہیدِ فراغت ہو جو     پُر ہے سایہ کی طرح میرا شبستاں مجھ سے

میری بیخودی تمہیدِ فراغت کا بستر بن جائے کیونکہ میرا گھر سایہ کی طرح مجھ سے بھرا ہوا ہے اور اس میں بیخودی کا عالم طاری ہے۔



شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے     ہو نگہ مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے

اگر شوقِ دیدار سے تو میری گردن اُتار دے تو میری آنکھیں شمع کی طرح جیسے کہ غلبۂ شوق سے منتشر ہو جائیں گی۔

بیکسی ہائے شبِ ہجر کی وحشت ہے ہے     سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

شبِ ہجر کی بیکسی کی وحشت کیا بتلاؤں میری وحشت سے قیامت کے دن سایہ خورشید بھی مجھ سے چھپا پھرتا ہے۔

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے     آئینہ داریِ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

تیرا جلوہ رنگین گردشِ ساغر ہے۔ جسے دیکھ کر میں ہمیشہ متحیر اور حیران بنا ہوں۔

نگہِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسدؔ     ہے چراغاں خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے

میری نگاہِ گرم سے نکلے ہوئے شراروں نے گلستان کے خس و خاشاک میں آگ لگا دی ہے اور چراغاں کا عالم بنا ہوا ہے۔

(۱۸۵)

نکتہ چیں ہے غمِ دل اُس کو سنائے نہ بنے     کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

محبوب نکتہ چیں ہے اُسے غمِ دل کیا سناؤں۔ میری تدبیر کیسے کامیاب ہوگی جہاں میں کوئی بات ہی نہیں بنا سکتا۔

میں بلاتا تو ہوں اُس کو مگر اے جذبۂ دل     اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

اے جذبۂ دل میں اُسے بلاتا ہوں تم بھی کوئی ایسا ڈھنگ اختیار کرو جس سے وہ ضرور آ جائے۔

کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے     کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

میرے آستانہ پر آنے کو وہ مجبور ہو جائے۔ کھیل سمجھ کر بے پرواہ نہ

اے بے وفا ذرا دیکھ لے اب تو اسد کو دیکھ۔ وہ نزع کی حالت میں ہے۔ تمہیں شرم و حجاب و تکلف چھوڑ دینا چاہئے۔

(۱۹۴)

کیوں نہ ہو چشمِ بتاں محوِ تغافل کیوں نہ ہو ... یعنی اس بیمار کو نظارہ سے پرہیز ہے

معشوقوں کی آنکھ عاشقوں سے تغافل کیوں نہ کرے جبکہ وہ ایسا بیمار ہے جس کو نظارگی سے پرہیز ہے۔

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی ... وائے ناکامی کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہے

مرنے پر بھی دیکھنے کی آرزو باقی رہ جائے۔ افسوس کہ میرے قاتل کا خنجر تیزی سے اس کا دم بھر میں فیصلہ کر دے گا۔ اور میں جی بھر کر دیکھ بھی نہ سکوں گا۔

عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد ... جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

پھول کو دیکھ کر مجھے محبوب کی یاد آ گئی۔ اور فصلِ بہار نے جوشِ اشتیاق بڑھا دیا۔

(۱۹۵)

دیا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہئے ... ہوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہئے

اگر وہ رقیب بن گیا تو کیا نامہ بری نہیں کرے گا۔ کیونکہ نامہ بر نے اسے دل دے دیا ہے۔

یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے ... قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہئے

آج موت نہیں آتی مگر آئے گی ضرور۔ اس لئے قضا سے ہمیں جو شکوہ ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

رہے ہے یوں گہ و بیگہ کہ کوئے دوست کو اب ... اگر نہ کہئے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہئے

کیا کہیں۔ اس کے کہا ہے یا ہے تیرے پاس رہنے سے ہم دوست کے گھر کو بھی دشمن کا گھر سمجھ رہے ہیں۔

زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب ... کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کہئے

ہم کو عجیب کرشمہ نے فریب دیا ہے۔ اب کیا کروں۔ تیرا حال بن کہے ہیں معلوم ہے۔

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال ... کہ یہ کہے کہ سرِ رہگذر ہے کیا کہئے

وہ جان بوجھ کر بازار میں پرسشِ حال کرتے ہیں۔ تاکہ وہ کہہ ڈالے کہ اب بازار میں گفتگو کا موقع نہیں ہے۔

تمہیں نہیں ہے سرِ رشتۂ وفا کا خیال ... ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہئے

تمہیں سرِ رشتۂ وفا کا خیال نہیں۔ لیکن یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم تم سے کچھ کہیں ضرور۔

انہیں سوال پہ زعمِ جنوں ہے کیوں لڑیئے ... ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہئے

ہمارے سوال پر اسے جنوں کا گمان ہے۔ اب کیا کہیں۔ ہم تو جواب تک دینا نہیں چاہتے ہیں۔

حسد سزائے کمالِ سخن ہے کیا کیجے ... ستم بہائے متاعِ ہنر ہے کیا کہئے

کیا کیجئے حسد کمالِ فن کی سزا ہے اور ستم آسمان متاعِ ہنر کی قیمت ہے۔

کہا ہے کس نے کہ غالب برا نہیں لیکن ... سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہئے

یہ کون کہتا ہے کہ غالب اچھا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ دیوانہ ہے ہم اور کچھ کہنا نہیں چاہتے ہیں۔

(۱۹۶)

دیکھ کر در پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے ... کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے

آزاد ہونے کے لئے دامن افشانی کی۔ لیکن لوگوں کی نظروں میں میرا جسم ثابت رہا اور میں کامل آزاد نہ ہو سکا۔ بے آزادی کے سبب سے پابند علائق ہوں۔

بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگ فساں    مرحبا میں کیا مبارک ہے گراں جانی مجھے

سخت جانی کے سبب سے تیغ نگاہ یار کا میں سنگ فساں بن گیا۔ تلوار میری گردن پر رگڑی جاتی ہے۔ مرحبا یہ وجود کتنا مبارک ہے۔

کیوں نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے    جانتا ہے محو پرسش ہائے پنہانی مجھے

اس کو مجھ سے اطمینان ہے اس لئے بے التفاتی کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ پوشیدہ طور پر پرسش کرنے سے بڑی مسرت ہے۔

میرے غمخانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی    لکھ دیا منجملۂ اسباب ویرانی مجھے

کاتب تقدیر نے جب غم خانے کی قسمت لکھی تو منجملۂ اسباب ویرانی کے مجھ کو بھی ایک سبب قرار دیا۔

بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاش کے    اس قدر ذوق نوائے مرغ بستانی مجھے

مجھے دو مرغ بستانیوں سے شوق ہے اس لئے وہ بدگمان ہوتا ہے۔ کاش ایسا نہ ہوتا اور مجھے مرغ بستانی کا ذوق قائم نہ رہتا۔

وائے واں بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا    لے گیا تھا گور میں ذوق تن آسانی مجھے

گور میں بھی شور محشر کے ہم و افکار سے نجات نہ ملی۔ اور ذوق تن آسانی پورا نہ ہوا۔

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے    تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

وعدہ کرکے مجھے اپنے گھر کا دربان بنا دیا۔ جب سے تم نے وعدہ کیا ہے دروازہ پر انتظار میں کھڑا ہوں۔

ہاں نشاط آمد فصل بہاری واہ واہ    پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزل خوانی مجھے

فصل بہار کی آمد نے سودائے غزل خوانی کو پھر سے تازہ کر دیا ہے۔

دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی    میرزا یوسف ہے غالب یوسف ثانی مجھے

مرزا یوسف میرے لئے یوسف ثانی ہے۔ کیونکہ خدا نے اسے از سر نو زندگی بخشی ہے۔ اور شفا دی ہے۔

(۱۹۷)

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامۂ یارب مجھے    سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے

اے خدا مجھے ہنگامہ آرائی سے مسکرانا یاد ہے۔ جس میں میرا ہنسنا سبحۂ زاہد کا کام دے رہا تھا۔

ہے کشاد خاطر وابستہ در رہن سخن    تھا طلسم قفل ابجد خانۂ مکتب مجھے

میری بشاشت سخن آرائی پر انحصار رکھتی ہے۔ اور جس مکتب میں شعر کہتا ہوں وہ طلسم قفل ابجد کا حکم رکھتا ہے۔ ادھر میں وہاں پہنچا ادھر شعر بازی شروع ہو گئی۔

یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے    رشک آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے

اے خدا کیا میری پریشانی کی کوئی داد دینے والا ہے؟ قیدیوں کی آسائش پر مجھے رشک آتا ہے اور ان کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔

طبع ہے مشتاق لذت ہائے حسرت کیا کروں    آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھے

میری طبیعت حسرت سے لذت یاب ہونا چاہتی ہے اور آرزو سے شکست آرزو سمجھتا ہوں۔

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے    عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

غالب دل لگا کر تم بھی میری طرح بن گئے۔ اور ہمیں عشق سے منع کرنا یاد نہیں رہا۔

(۱۹۸)

حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آزمائش ہے　　چمن میں خوش نوایانِ چمن کی آزمائش ہے

دربارِ شاہی میں آج شعرا کی آزمائش ہے اور خوش نوا شعرا شاہی دربار کے ... موجود ہیں۔

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے　　جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

قیس و کوہکن کی لیلیٰ اور شیریں کے قد و گیسو سے آزمائش۔ لیکن یہاں دار و رسن سے امتحان لیا جاتا ہے۔

کریں گے کوہکن کے حوصلے کا امتحاں آخر　　ہنوز اس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے

کوہکن کا امتحان یا جوئے شیر میں کامیاب ہونا کمالِ عشق کی دلیل نہیں وہ وقت آرہا ہے جب پیرزن اُسے بُری خبر سنائے گی اور وہ مرجائے گا۔ اس کی موت امتحانِ عشق میں ناکام ہو کر مرنے کا ثبوت ہوگی۔

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ہوا خواہی　　اُسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے

نسیمِ مصر صرف پیرہنِ یوسف کی خوشبو لے کر آتی ہے اس سے یعقوب علیہ السلام کی خیر خواہی میاں نہیں ہوتی۔ بلکہ یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی بو کی قوت تاثیر ... ہو رہا ہے۔

وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے　　شکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمائش ہے

ہوشیار ہو جاؤ۔ غافل نہ ہو۔ فتنہ ساماں آگیا۔ پھر شکایت نہ کرنا کہ صبر و قرار کو لوٹ لے گیا اور تم غافل ہی رہ گئے۔

رہے دل ہی میں تیر اچھا جگر کے پار ہو بہتر　　غرض شستِ بتِ ناوک فگن کی آزمائش ہے

تیر اگر دل میں رہ جائے تو بہتر اگر جگر کے پار ہوئے تو اچھا۔ ہمارا مطلب تو ناوک فگن کی پختگی کا امتحان لینا ہے۔

نہیں کچھ سُبحہ و زُنّار کے پھندے میں گیرائی　　وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

تسبیح و زنار سے شیخ و برہمن کی وفاداری معلوم کی جاتی ہے۔ ورنہ اس میں کیا رکھا ہے۔

پڑا رہ اے دلِ وابستہ بیتابی سے کیا حاصل　　مگر پھر تابِ زلفِ پُرشکن کی آزمائش ہے

اے دل۔ خاموش ہی رہنا بہتر ہے۔ زلفِ پرشکن امتحان لینے پر تُلی ہوئی ہے مگر تیری تپش اور تڑپ ابھی باقی ہے یہ ممکن نہیں کہ تو آرام پا سکے۔

رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو　　ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمائش ہے

زہرِ غم تو ابھی کام و دہن تک پہنچا ہے۔ جب رگ رگ میں سرایت کر جائے گا تو پھر نہ معلوم کیا ہوگا۔

وہ آویں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالبؔ　　نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمائش ہے

غالب دیکھئے اُس کے وعدہ سے کونسی نئی آفت آئی ہے۔ وہ میرے گھر آئیں گے تو کوئی نیا فتنہ بپا کرنے کے لئے ہی آئیں گے۔

(۱۹۹)

کبھی نیکی بھی اُس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے　　جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

کبھی اس کے دل میں میرے متعلق نیک خیال آجاتا ہے۔ تو وہ اپنے ظلم و ستم یاد کر کے خود بخود شرما جاتا ہے اور میرے پاس نہیں آسکتا۔

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے　　کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

اے خدا میرے جذبۂ دل کی یہ کیا اُلٹی تاثیر ہے کہ جتنا وصل کا تصور کرتا ہوں اتنی جدائی ہوتی جاتی ہے۔

وہ بد خو اور میری داستانِ عشق طولانی　　عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

میرا قصۂ غم طویل ہے اور معشوق بڑا بد خو تو قاصد کہتا ہے کہ شامت نہ آجائے۔

بن کر شان دو بالا کر دوں تو وہ مجھے آزار پہنچانے کے نئے شاخسانے سے الجھن پیدا کر دیتا ہے۔

(۲۰۲)

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے — ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

میری نظروں میں دنیا بچوں کا کھیل اور تماشا ہے جو دن رات جاری ہے۔

اک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک — اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

تخت سلیمان میرے نزدیک کھیل سے زیادہ نہیں اور اعجاز مسیحا کو معمولی بات سمجھتا ہوں۔

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور — جز وہم نہیں ہستیٔ اشیا مرے آگے

دنیا کی ہستی کو برائے نام سمجھتا ہوں مجھے تمام اشیا بس وہم کی طرح ہیں ان کا کوئی وجود نہیں۔

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے — گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

عالم جنوں میں خاک اڑانے سے صحرا گرد کا بگولہ بن جاتا ہے اور دریا میری حالت دیکھ کر خاک پر جبیں سائی کرتا ہے۔

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے — تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

کیا پوچھتا ہے کہ میرا دل تیرے پیچھے کیسا رہا۔ تو اپنی حالت دیکھ لے میرے سامنے ہے۔

سچ کہتے ہو خودبین و خود آرا ہوں نہ کیوں ہوں — بیٹھا ہے بت آئینہ سیما مرے آگے

یہ سچ ہے کہ میں خود بین و خود آرا ہوں۔ ایسا نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں جبکہ تجھ جیسا خوبرو میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔

پھر دیکھیے انداز گل افشانیٔ گفتار — رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے



کوئی میرے سامنے شراب کا پیالہ رکھ دے تو پھر میری گل پاشیوں کا ملاحظہ فرمائیے۔

نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشک سے گزرا — کیونکر کہوں لو نام نہ ان کا مرے آگے

میں رشک سے یہ نہیں چاہتا کہ کوئی میرے سامنے تمہارا نام لے۔ لیکن یہ بھی نہیں کہتا کہ میرے دل میں ایسا خیال پیدا ہو جو عاشق کے لئے باعث ننگ و عار ہو۔

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر — کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

ایمان مجھے روکتا ہے اور کفر کھینچتا ہے اور کعبہ پیچھے ہے اور کلیسا سامنے۔ خوب کشمکش ہے۔

عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام — مجنوں کو برا کہتی ہے لیلیٰ مرے آگے

معشوقوں کو فریب دینے والا عاشق ہوں۔ لیلیٰ میرے سامنے تعریف کرتی اور مجنوں کو برا کہتی ہے۔

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے — آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

شب وصل میں شب ہجر کی یاد آ رہی ہے۔ خوشی سے یوں مر نہیں جاتے۔

ہے موجزن اک قلزم خوں کاش یہی ہو — آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

کاش میرے دل میں قلزم خون جوش میں ہو۔ دیکھیے عشق کے راستے میں اور کیا کیا پیش آتا ہے۔

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے — رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ضعف سے ہاتھ تو نہیں ہل سکتا۔ شراب پینے کی طاقت نہیں۔ آنکھوں میں دم ہے اور دیکھ رہا ہوں۔ ساغر و مینا میری دل کی تسکین کے لئے سامنے

رہنے دو۔

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

غالب کو برا کیوں کہتے ہو۔ وہ تو میرا ہمراز، ہم پیشہ اور ہم مشرب ہے۔

(۲۰۳)

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے

میں اپنا حال کہنے لگتا ہوں تو کہتے ہو مطلب کہئے۔ اب تم ہی بتاؤ یہ حالت ہو تو میں اور کیا کروں۔

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

خدا کے لئے یہ نہ کہنا کہ میں ظالم ہوں مجھے آپ کی ہر بات پر بجا کہنے کی عادت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں بجا کر دوں اور شامت آ جائے۔

وہ نیشتر سہی پر دل میں جب اتر جاوے نگاہ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے

نگاہ یار نیشتر سہی اب تو وہ نگاہ ناز کی طرح دل میں اتر گئی ہے۔ اس لئے کافی پیاری ہے۔

نہیں ذریعۂ راحت جراحت پیکاں وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیے

پیکاں سے زخم دل کی تسلی نہیں ہوتی۔ بلکہ جس سے دلکشائی ہو وہ زخم تیغ ہے۔

جو مدعی بنے اس کے نہ مدعی بنیے جو ناسزا کہے اس کو نہ ناسزا کہیے

رقیب دشمن نہ بنیں اور جو برا کہے اسے برا نہ کہیں۔

کہیں حقیقت جانکاہی مرض لکھیے کہیں مصیبت ناسازی دوا کہیے

کہیں کمزوری مرض کی حقیقت لکھتے ہیں اور کہیں مصیبت و ناسازی کی دوا کہتے ہیں۔



کبھی شکایت رنج گراں نشیں کہیے کبھی حکایت صبر گریز پا کہیے

کبھی سخت غم و الم بیان کرتے ہیں اور کہیں صبر گریز پا کی کہانی کہتے ہیں۔

رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

جان چلی جائے تو قاتل کو خون کا بدلہ دیں۔ زبان کٹ جائے تو خنجر کو مرحبا کہیں۔

نہیں نگار کو الفت نہ ہو نگار تو ہے روانی روش و مستی ادا کہیے

محبوب کو مجھ سے محبت نہیں مگر اس کی دلکش رفتار اور مستانہ ادا کو کیسے بیان کروں۔

نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے طراوت چمن و خوبی ہوا کہیے

بہار صفت معشوق کو قیام کی فرصت نہیں تو کیا اس کی بہار سے چمن کی تازگی اور ہوا کا لطف تو ہے۔

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالب خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

عمر کی کشتی کنارے پہ پہنچ گئی خدا سے ناخدا کے جور و ظلم کی کیوں شکایت کی جائے۔

(۲۰۴)

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

اس قدر روئے کہ [illegible] بے باکیاں بڑھتی گئیں۔ اور دھوئے [illegible] پاک بن گئے۔

صرف بہائے مے ہوئے آلات مے کشی تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

شراب نوشی کا ٹھکانا اور دوسرا آلات مے خواری یہ دو چیزیں حساب میں تھیں اب آلات کو بیچ کر شراب پی لی ہے۔ اور کوئی جھگڑا باقی نہیں رہا۔

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے ہم　　بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

زمانہ بھر میں آوارگی کی وجہ سے بدنام تھے لیکن اب ہوش و حواس درست ہو گئے ہیں۔

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر　　پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

نالۂ بلبل کو بے اثر کون کہتا ہے اس کی قوتِ تاثیر سے پھولوں کے لاکھوں پردے چاک ہو گئے ہیں اور کسی وجہ سے نہیں۔

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا　　آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

اہلِ شوق کے وجود و عدم کی کیا پوچھتے ہو۔ وہ اپنی آگ میں آپ ہی جل گئے اور نہ اُن کا وجود رہا نہ عدم۔

کرنے گئے تھے اُس سے تغافل کا ہم گلہ　　کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

ہم تغافل کا گلہ کرنے گئے تھے۔ اُس نے ہماری طرف نظر اُٹھائی تو فوراً جل کر خاک ہو گئے۔

اس رنگ سے اُٹھائی کل اُس نے اسدؔ کی نعش　　دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

کل اُس نے ایسے اچھے طریقے سے اسد کی نعش اُٹھائی جسے دیکھ کر دشمن بھی رونے لگ گیا۔

(۲۰۵)

نشہ ہا شادابِ رنگ و ساز ہا مستِ طرب　　شیشۂ مے سروِ سبزِ جوئبارِ نغمہ ہے

نشہ اپنے رنگ میں خوش اور ساز مسرت سے وجد میں ہے۔ اور شیشۂ شراب سروِ سبزِ جوئبار کا نغمہ بنا ہوا ہے۔

ہم نشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزمِ عیشِ دوست　　واں تو میرے نالے کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

اے ہم نشیں یہ نہ کہو کہ رو کر بزمِ عیش خراب نہ کرو۔ وہاں تو میرا



نالہ بھی نغمہ کا کام دیتا ہے جس سے بزم کو رونق ملے گی۔

(۲۰۶)

عرضِ نازِ شوخیِ دنداں برائے خندہ ہے　　دعوئ جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے

ہنسنے کے وقت دانت شوخیِ ناز دکھاتے ہیں۔ ان کی یکجائی چمک کی جمعیتِ احباب سے تشبیہ ہے یعنی سب دوست اکٹھے مل کر شوخی دکھا رہے ہیں۔

ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل　　یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

غنچہ عدم سے ظاہر نہیں ہوا لیکن انجامِ گل کی عبرت پر محو ہے۔ اور فکر میں ہے کہ اگر وہ کھل کر مسکرانے لگ جائے گا تو کیا ہوگا۔

کلفتِ افسردگی کو عیشِ بیتابی حرام　　ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

ہماری افسردگی کو بیتابانہ عیش حرام ہے۔ ورنہ دل کے خوش ہو کر پھول کی طرح کھلنے کی اچھی ترکیب ہے۔

سوزشِ باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں　　دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

احباب سوزِ باطن کے منکر ہیں۔ لیکن ہمارے دل میں گریہ وزاری کا دریا موجزن ہے اور لبوں پر مسکراہٹ ہے۔

(۲۰۷)

حسنِ بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے　　آئینہ زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے

حسن بے پروا ہو کر جلوہ کا خریدار ہے۔ اور آئینہ اس کے اختراعِ جلوۂ نو کے غم میں متفکر ہے۔

تا کجا اے آگہی رنگِ تماشا باختن　　چشمِ وا گردیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

اے ہوشیاری۔ تو کب تک تماشاگری کا رنگ اختیار کرے گی۔ تیری آنکھ جلوہ کو رخصت الوداع کہہ رہی ہے۔

(۲۰۴)

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی　　مشکل کہ تجھ سے راہ سخن وا کرے کوئی

جب تک کوئی تیغ ستم کا شکار بن کر زخم جگر پیدا نہ کرے اس وقت تک تجھ سے گفتگو دشوار ہے۔

عالم غبار وحشت مجنوں ہے سر بسر　　کب تک خیال طرۂ لیلیٰ کرے کوئی

وحشت مجنوں = وجود وہمی ۔ طرۂ لیلیٰ = وجود حقیقی ۔

دنیا کے وہمی وجود کو کب تک حقیقی وجود فرض کیا جا سکتا ہے۔

افسردگی نہیں طرب انشائے التفات　　ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی

افسردگی اتنی بڑھ چکی ہے کہ التفات سے بھی خوشی پیدا نہیں ہوتی۔ اور سوائے درد کے اور کسی شے کی میرے دل میں گنجائش نہیں ہے۔

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے　　آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

اے ندیم تو مجھے رونے پر ملامت نہ کر۔ آخر کسی طرح تو یہ عقدہ وا کرنا ہی ہے۔

چاک جگر سے جب رہ پرسش نہ وا ہوئی　　کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

جب چاک جگر پر اس نے ہماری بات نہ پوچھی تو گریباں پھاڑنے کا کیا پیدا کرے گا۔

لخت جگر سے ہے رگ ہر خار شاخ گل　　تا چند باغبانی صحرا کرے کوئی

ہر ایک کانٹے کی نوک پر میرے جگر کے ٹکڑے اٹکے ہوئے ہیں۔ جس سے سارا جنگل لالہ زار ہو گیا ہے۔ اب باغبانی کی کیا ضرورت ہے۔

ناکامی نگاہ ہے برق نظارہ سوز　　تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

تو وہ محبوب ہے جسے کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ ناظر کی ناکامی تو



برق نظارہ سوز بنی ہوئی ہے۔ اس میں تیرا کوئی قصور نہیں ہے۔

ہر سنگ و خشت ہے صدف گوہر شکست　　نقصاں نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی

جنوں سے سودا کرنے میں کیا نقصان ہے۔ لڑکوں کے مارنے والا ہر سنگ صدف ہے جس سے دیوانہ کو موتی حاصل ہوتے ہیں۔

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر　　فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

تیرے صبر آزما وعدہ سے عمر کو بیت نہ سکے۔ اتنی کہاں فرصت جو تیری تمنا ہی کرے۔ وعدہ پورا ہونے تک تو موت آ جائے گی۔

ہے وحشت طبیعت ایجاد یاس خیز　　یہ درد وہ نہیں ہے کہ پیدا کرے کوئی

عالم ایجاد کی طبیعت میں ہی یاس خیز وحشت و دیوانگی کا درد ہے اور وہ ایک ایسا درد ہے جس کا ہونا فطری ہے۔

بیکاری جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل　　جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

گریباں و دامن کی دھجیاں اڑ جائیں تو دیوانہ کو سر پیٹنے کا شغل اختیار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس وقت کیا کیا جائے جب سر پیٹتے پیٹتے ہاتھ بھی ٹوٹ جائیں۔

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد　　پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

پہلے کوئی دل گداختہ پیدا کرے پھر شمع سخن کو رونق فروغ ہو سکے گی۔

(۲۰۵)

ابن مریم ہوا کرے کوئی　　میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

کوئی مسیح نفس ہوگا تو تب مانوں گا جب کوئی میرے دکھ کی دوا کریگا۔

شرع و آئین پر مدار سہی　　ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

میرا قاتل تو بلا تلوار وار کرتا ہے اس کی شرع و آئین سزا نہیں بتلاتے

چال جیسے کڑی کمان کا تیر    دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

اس کی چال کڑی کمان کے تیر کی طرح دلدوز ہے۔ کوئی ہے اس کے دل میں گھر کرنے والا؟

بات پر واں زبان کٹتی ہے    وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

وہاں تو بات کرنے پر زبان کٹتی ہے۔ چپ چاپ گفتگو سنتے رہیں تو بہتر ہے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ    کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

جنوں میں خبر نہیں کیا کہہ رہا ہوں۔ خدا کرے کوئی ان باتوں کو نہ سمجھے۔

نہ سنو گر برا کہے کوئی    نہ کہو گر برا کرے کوئی

اگر کوئی برا کہے تو اس کی طرف توجہ ہی نہ دو۔ اور برا کرے تو اُسے دیکھ کر چشم پوشی کرو۔

روک لو گر غلط چلے کوئی    بخش دو گر خطا کرے کوئی

کوئی غلط راستے پر چل رہا ہو تو اسے روک دو۔ کوئی جرم کرے تو اس کی خطا معاف کر دو۔

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند    کس کی حاجت روا کرے کوئی

دنیا میں سب حاجتمند ہیں۔ کون کس کی ضرورت پوری کرے۔

کیا کیا خضر نے سکندر سے    اب کسے رہنما کرے کوئی

جیسے خضر نے سکندر کو چشمہ حیوان تک پہنچا نہ سکے تو پھر اور کون کسی کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب    کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

جب ساری توقع ہی منقطع ہوگئی تو پھر کسی کا گلہ کرنے سے کیا فائدہ ہے؟



(۲۱۰)

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے    غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

دنیا میں کافی غم ہیں مگر شراب کم نہیں۔ ساقی کوثر کا غلام ہوں یعنی اُمت اسلام سے ہوں۔ شراب پی پی کر غم غلط کر دوں گا۔

تمہارے طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے    رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

جانتے ہیں کہ تم کسی پر ظلم کرنے کے لئے مہربان ہوتے ہو۔ رقیب پر اگر مہربان ہو۔ تو کیا ستم ہے۔ اس پر بھی وہی ظلم کرتے ہوگے۔

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی    یقیں ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے

غالب کا سخن قلم سے آتش فشانی کرتا ہے وہ بڑا شاعر ہے۔ مگر اب عاجز ہوگیا ہے۔

(۲۱۱)

باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے    سایۂ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

باغ دیوانہ جان کر ڈراتا ہے اس لئے ہر شاخ گل کا سایہ سانپ معلوم ہوتا ہے۔ اور ڈر رہا ہوں۔

جوہر تیغ بہ سر چشمۂ دیگر معلوم    ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے

میں وہ سبزہ ہوں جس کی پیدائش زہرآب سے ہوتی ہے۔ جس طرح تلوار کا جوہر زہرآب میں بجھانے سے پیدا ہوتا ہے۔

مدعا محو تماشائے شکست دل ہے    آئینہ خانے میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے

کوئی مجھے آئینہ خانے میں لئے جا رہا ہے۔ جہاں حیرت سے میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ اور عدم حصول مدعا غالب رہے گا۔

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کف خاک    آسماں بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

عالم کا سرمایہ ایک نالہ ہے اور عالم مٹھی بھر خاک۔ جس میں آسمان بیضۂ قمری کی طرح بے حقیقت دکھائی دے رہا ہے۔ یہاں آسمان کو خاکستری ہونے پر قمری کہا ہے اور قمری چونکہ نالہ کش رہتی ہے اس لئے دنیا سے تشبیہ دی ہے۔

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے ۔۔۔ دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

زندگی میں تو ان کا معمول تھا کہ وہ مجھے محفل سے اٹھا دیتے تھے۔ اب میں مر گیا ہوں دیکھئے انہیں میرے اٹھانے سے کس طرح انکار ہوگا۔

(۲۱۲)

روندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی ۔۔۔ اترائے کیوں نہ خاک سرِ رہگذار کی

خاک سرِ راہ اس لئے اترا رہی ہے کہ وہ بادشاہ کے اردلیوں سے روندی ہوئی ہے۔

جب اس کے دیکھنے کیلئے آئیں بادشاہ ۔۔۔ لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی

جب بادشاہ دیکھنے کو آئے تو لالہ کی لوگوں میں کیوں مشہوری نہ ہو۔

بھوکے نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم ولے ۔۔۔ کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

ہم سیر گلستان کے بھوکے نہیں ہیں لیکن ہوائے بہار ایسی ہے جس کی طرف ضرور متوجہ ہونا پڑتا ہے۔

(۲۱۳)

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے ۔۔۔ بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

دل میں ہزاروں ایسی خواہشیں ہیں جن میں سے ہر ایک کے لئے جان نکلتی ہے۔ میرے ارمان کافی نکل چکے ہیں لیکن ابھی بہت سے موجود ہیں۔

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہے گا اس کی گردن پر ۔۔۔ وہ خوں جو چشمِ تر سے عمر بھر یوں دم بدم نکلے

میرا خون رواں رہتا ہے اس کی گردن پر نہیں رہ سکتا۔ آنکھوں سے جاری ہے۔ اس لئے قاتل کو ڈرنا نہیں چاہئے۔ کہ میرا خون اس کی گردن پر رہے گا۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن ۔۔۔ بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

آدم کا خلد سے نکلنا سنا تھا لیکن جس طرح ہمیں بے آبرو کر کے نکالا گیا۔ ایسے وہ نہیں نکلا تھا۔

بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا ۔۔۔ اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

تیرے قد و قامت کی درازی پیچیدہ زلف کی مانند ہے۔ اگر اس کا پیچ و خم نکل جائے تو تمہارے قد کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے ۔۔۔ ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

ہم نامہ لکھنے کے مشتاق ہیں اس لئے صبح سے کان پہ قلم رکھ کر گھر سے نکل جاتے ہیں اگر اس کو کوئی خط لکھوائے تو ہم سے لکھوائے۔

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی ۔۔۔ پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جامِ جم نکلے

پھر جمشید کا زمانہ میری شراب نوشی کیلئے لوٹ آیا ہے۔ اور مے نوشی ہو رہی ہے۔ میرے مقابلہ کا کوئی بھی بادہ نوش زمانہ بھر میں نہیں ہے۔

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی ۔۔۔ وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

ہم نے جن سے بھی خستگی کی داد حاصل کرنے کی توقع کی۔ وہ ہم سے زیادہ تیغ ستم یار کا خستہ تھا۔ یعنی دنیا میں کوئی بھی آدمی بشاش نہیں ہے۔

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا ۔۔۔ اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

محبت میں زندگی اور موت برابر ہیں۔ عاشق کا محبوب کو دیکھ کر دم نکلتا ہے اور وہی اس کی زندگی کا باعث ہے۔

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ ۔۔۔ پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

تکلف کو برطرف رکھنے سے بھی حسینوں کی بے وفائی اور تیغ تیز کی نازآفرینی غضب کی ہے۔

ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی　　کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے

کثرت غم سے مسرت کی کیفیت زائل ہو گئی ہے۔ اور صبح عید بھی مجھے پھٹا ہوا گریبان معلوم ہوتا ہے۔

دل و دیں نقد لا، ساقی سے گر سودا کیا چاہے　　کہ اس بازار میں ساغر متاعِ دست گرداں ہے

ساقی سے سودا کرنا چاہتا ہے تو دل و دین دے کر شراب حاصل کرو۔ ادھار نہیں یہاں نقد کا چلن ہے۔

غمِ آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو　　چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

غم عاشق کو آغوش بلا میں پرورش کرتا ہے۔ اور ہمارا چراغ قلزم صرصر میں روشن ہوتا ہے۔

(۲۲۱)

خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے　　نگاہ دل سے تری سرمہ سا نکلتی ہے

جب تو خاموشی سے تماشائے بزم ہوتا ہے۔ تو تیری نگاہ بھی محبت سرمہ کی طرح خاموش معلوم ہوتی ہے۔

فشارِ تنگیٔ خلوت سے بنتی ہے شبنم　　صبا جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے

صبا جب غنچے کے پردہ میں راہ پاتی ہے۔ تو وہ اس قدر سکڑ جاتی ہے کہ شبنم بن جاتی ہے اور یہ فشار تنگی خلوت کی وجہ سے ہے۔

نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ　　کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

تیغ نگاہ کی آب سینۂ عاشق سے پوچھنا۔ اس کو اس نے ایسا زخم کاری لگایا جس سے ہوا نکلنے پر گویا ذکر ہوتا چلا جاتا ہے۔



(۲۲۲)

جس جا نسیمِ شانہ کشِ زلفِ یار ہے　　نافہ دماغِ آہوئے دشتِ تتار ہے

نسیم جہاں زلف معنبر کی خوشبو لے جاتی ہے تو آہو کا دماغ نافہ مشک تاتار بن جاتا ہے۔

کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا　　آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے

اے خدا! حیرت کس کے جلوہ کا سراغ نکال رہی ہے۔ جو آئینہ کی طرح منتظر نظر آتی ہے۔

ہے ذرہ ذرہ تنگیٔ جا سے غبارِ شوق　　گر دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے

میرے شوق کا ہر ذرہ جگہ نہ ملنے سے پریشان ہو گیا۔ اگر یہی پریشانی ہے تو وسعت صحرا شکار ہو جائے گا۔

دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ　　نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے

دل نے آنکھ پر دعویٰ کیا ہے اور آج مقدمہ کی پیشی ہے۔

چھڑکے ہے شبنم آئینۂ برگِ گل پر آب　　اے عندلیب وقت وداعِ بہار ہے

اے عندلیب - بہار رخصت ہو رہی ہے - اور شبنم آئینہ برگ گل پر پانی چھڑک رہی ہے۔

پچ آ پڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے　　وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے

محبوب کے وعدہ کے احترام سے منتظر ہوں۔ وہ آئے یا نہ آئے میں انتظار کروں گا۔

بے پردہ سوئے وادیٔ مجنوں گذر نہ کر　　ہر ذرہ کے نقاب میں دل بے قرار ہے

وادی مجنوں میں بے پردہ ہو کر نہ جانا۔ ذرات تڑپتے معلوم ہوتے ہیں جو در اصل ذروں کا اضطراب دل ہے۔

اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیاں    طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے

اے عندلیب آشیانہ کے لئے خس و خاشاک جمع کرنے ہوں تو کر لو۔ ورنہ طوفانِ بہار میں یہ ڈھونڈے سے بھی نہ ملیں گے۔

دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی    اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے

دل کو برباد تمنا نہ کر اس سے کوئی مفید خبر نہیں ملتی تو نہ سہی۔ سیر کے لئے دنیائے آرزو تو موجود ہے۔

غفلت کفیلِ عمر و اسدؔ ضامنِ نشاط    اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

غفلت نے عمر بھر کا ٹھیکہ لے لیا ہے اور حضرت اسدؔ مسرت کی ضمانت دے چکے ہیں۔ مرگِ ناگہاں تو کیا سوچ رہی ہے۔ تیرے آنے کا تو اب وقت ہے۔

(۲۲۳)

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے    ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

میں تجھے آئینہ کیوں نہ دکھادوں کہ تو اسے دیکھ کر حیرت سے تماشا بن جائے۔ ورنہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی تیرا ثانی ہو۔

حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں    گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

حسرت نے میرے دل کو تیری بزمِ خیال میں لا دیا اور میرا سویدائے دل میری حسرت بھری نگاہوں کا گلدستہ بن گیا ہے۔

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا    افسونِ انتظار تمنا کہیں جسے

اے خدا محبت نے کانوں میں افسونِ انتظار تمنا پھونک دیا ہے۔ محبت کو بلا سکانے کیوں تمنا پیدا ہوتی ہے۔

سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالیے    وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے



ہجومِ دردِ غربت کے عالم میں سر پر مشتِ خاک ڈالنی چاہئے جسے لوگ صحرا کہتے ہیں۔

ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے نہاں    شوقِ عناں گسیختہ دریا کہیں جسے

میری چشمِ تر میں بہ شوقِ عشق کا دریا جاری ہے۔ اور رو رہا ہوں۔

درکار ہے شگفتنِ گلہائے عیش کو    صبحِ بہار پنبۂ مینا کہیں جسے

عیش و عشرت اور شگفتگی پیدا کرنے کے لئے شغلِ شراب نوشی ہونی چاہئے۔

غالبؔ برا نہ مان جو واعظ برا کہے    ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

غالب اگر تجھے واعظ برا کہتا ہے تو کیا؟ دنیا میں ایسا کوئی آدمی نہیں جسے ہر ایک اچھا کہے۔

(۲۲۴)

شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے    داغِ دلِ بیدرد نظرگاہِ حیا ہے

گلِ لالہ میں شبنم کے قطرات داغِ دلِ بیدرد کا عرقِ ندامت ہیں۔ بلا وجہ نہیں ہے۔

دل خوں شدۂ کشمکشِ حسرتِ دیدار    آئینہ بدستِ بتِ بدمستِ حنا ہے

میرا دل حسرتِ دیدار کی کشمکش میں خون ہو گیا۔ اور حنا نے اُس کے ہاتھ کی آئینہ بندی کی ہے۔

شعلے سے نہ ہوتی ہوسِ شعلہ نے جو کی    جی کس قدر افسردگیٔ دل پہ جلا ہے

میرا دل افسردگی سے جل رہا ہے کیا ہی اچھا ہوتا میں جل جاتا۔ اگر شعلہ اُسے جلاتا تو آسانہ جلتا۔

# سہرا

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا — باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا

اے مقدر تو خوش ہو کہ آج تیری عزت افزائی ہو رہی ہے تو شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا باندھ۔

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے — ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا

چاند سی صورت پہ سہرا کیسا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ تیرے دل افروز حسن پر سہرے نے زیور کا کام کیا ہے۔

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ — مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

کلاہ نے تو سر پر تیرا اترانا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ تیرا لمبر سہرا نہ چھین لے۔

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی — ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

کشتی میں جو سہرے کو بھر کر لایا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ سہرا میں کشتی بھر موتی پروئے گئے ہیں۔

رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا — ہے رگ ابر گہر بار سراسر سہرا

دولہا کے رخسار پر گرمی سے جو پسینہ نمودار ہے۔ یہ پسینہ نہیں سہرا ہی ابر گوہر بار بن کر برس رہا ہے۔

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے — رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

سہرے کا قبا کی لمبائی سے بڑھ جانا بے ادبی ہے اس لئے وہ قبا کے دامن تک پہنچ کر رہ گیا۔



جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز — چاہئے پھولوں کا بھی ایک مکرر سہرا

موتی غرور نہ کریں کہ ہم ہی کوئی چیز ہیں پھولوں کا بھی ایک دوسرا سہرا چاہئے۔

جب کہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے — گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

جب خوشی میں اپنے آپ میں کوئی نہیں سما سکتا۔ تو وہ پھولوں کا سہرا ہی کیونکر باندھے۔

رخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک — کیوں نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا

رخ روشن کی چمک دمک اور اس کے ساتھ متحرک موتیوں کی جھلاہٹ سے چاند اور سورج کی چمک دکھا رہا ہے۔

تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار — لائے گا تاب گرانباری گوہر سہرا

ابر بہار کوئی ریشمی تار نہیں یہ سہرا ہی موتیوں کی تاب لا سکتا ہے۔

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں — دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا

ہم شعر و شاعری کا فہم رکھتے ہیں۔ غالب کے طرفدار نہیں۔ دیکھیں ہمارے سہرا سے کوئی اچھا سہرا لکھ دے۔

---

# قصائد

(۱)

سازِ یک ذرّہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار　　سایۂ لالۂ بے داغ سویدائے بہار

فیضِ چمن = موسمِ بہار ✦ سویدا = داغ ✦

موسمِ بہار نے دُنیا کی کسی بھی شے کو بیکار نہیں رکھا۔ لالہ کا بے داغ سایہ بہار کا داغ معلوم ہوتا ہے۔

مستیٔ بادِ صبا سے ہے بہ عرضِ سبزہ　　ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار

سبزہ کو تشبیہ دی ہے جوہرِ تیغ کو جو کہسار کو ہوتا ہے۔

بادِ صبا کی مستانہ وار جولانی سے ریزہ ہائے شیشۂ مے معلوم ہوتے ہیں اور سبزہ جوہرِ تیغِ کوہسار کی مانند ہے۔

سبز ہے جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ　　تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روئے شرار

پلنگ = چیتا ✦

چیتے کا ہر داغ جامِ زمرد کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ اور شرارے کی شکل ریشۂ نارنج کی مانند تر و تازہ ہے۔

مستیٔ ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت　　کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار

ابرِ عالمگیر مستی سے دُنیا کو آغوش میں لے کر اس قدر فشار پیدا کرے کہ جذباتِ حسرت بھی خوشی سے گلچینی کرنے لگ جائیں۔

کوہ و صحرا ہمہ معموریٔ شوقِ بلبل　　راہِ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار

معموری = آبادی ✦ راہِ خوابیدہ = سنسان راستہ ✦



بیدار = بارونق ✦

جنگل اور پہاڑ گل و گلستان سے آباد ہو گئے اور تمام سنسان راستے کھلے ہوئے پھولوں سے خوشنما ہو گئے ہیں۔

سونپے ہے فیضِ ہوا صورتِ مژگانِ یتیم　　سرنوشتِ دو جہاں ابر بہ یک سطرِ غبار

سرنوشتِ دو جہاں ابر = چھپے ہوئے بادلوں کی قسمت ✦

ہوا کا فیض تھوڑی سی گرد کو بھی دُنیا کے بادلوں کی بوندا باندی سے یتیم بچے کے رونے کی طرح تر بتر رکھتی ہے۔

کاٹ کر پھینکیے ناخن تو بہ انداز ہلال　　قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار

اگر ناخن کاٹ کر پھینکیں تو وہ بھی قوتِ بالیدگی سے ہلال سے بدر یعنی چودھویں کا چاند بنا دے اور بیکار نہ رہنے دے۔

کفِ ہر خاک بہ گردوں شدہ قمری پرواز　　دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤس شکار

جب بھی مٹھی بھر خاک آسمان کی طرف اُڑتی ہے تو قمری کی سی اُڑان لے کر اور جلے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے مور کا شکار کرتے معلوم ہوتے ہیں۔

میکدے میں ہو اگر آرزوئے گل چیدن　　بھول جا یک قدحِ بادہ بہ طاقِ گلزار

اگر شراب خانہ سے پھول چننے کی تمنا ہے تو باغ کے طاق پر شراب کا پیالہ رکھ کر بھول جا خود بخود گلزار پیدا ہو جائے گی۔

موجِ گل ڈھونڈھ بہ خلوت کدۂ غنچۂ باغ　　گم کرے گوشۂ میخانہ میں گر تو دستار

اگر میکدہ میں پگڑی گم ہو جائے تو اسے موجِ گل سمجھ کر غنچۂ باغ کے خلوت کدہ سے تلاش کر۔

کھینچے گر مانیٔ اندیشہ چمن کی تصویر　　سبز مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار

مصورِ خیال اگر باغ کا نقش تیار کرے تو اس کی پرکار کی لکیر بھی کسی

خوبرو کا سبزہ زار دکھائی دے۔

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ — طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا منقار

طوطی نے سرسبز پہاڑ کے لعل سے بادشاہ کی تعریف کا ترانہ گانے کے لئے چونچ بنائی ہے۔

وہ شہنشاہ کہ جس کی پئے تعمیرِ سرا — چشمِ جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار

وہ شہنشاہ جس کے محل کی تعمیر کے لئے چشمِ جبریل کے سانچے میں اینٹیں تیار کی گئی ہیں۔

فلک العرش ہجومِ خمِ دوشِ مزدور — رشتۂ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار

فلک العرش = آسمانِ ہفتم ۔ سازِ طنابِ معمار = معمار کے ڈور کی بناوٹ۔

تیرے مزدور کے کندھے پر ساتویں آسمان کا بار آپڑا ہے۔ اور تیرے محل کی سیدھ ازلی فیض کے دھاگے سے درست کی گئی ہے۔

سبزۂ نہ چمن و یک خطِ پشتِ لبِ بام — رفعتِ ہمتِ صد عارف و یک اوجِ حصار

سبزۂ نہ چمن = نو آسمانوں کی رنگت ۔ خطِ پشتِ بام = محل سرا کی منڈیر کا خط۔

تیرے محل کی منڈیر کا سبزہ اور نو آسمانوں کی رنگت برابر ہے۔ تیری محل سرا کی بلندی سینکڑوں عارفوں کی ہمت کے برابر ہے۔

واں کی خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرِ کاہ — وہ رہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار

مروحہ = پنکھا۔

شہنشاہ کی محل سرا کے خس و خاشاک سے جسے ایک تنکا بھی میسر آئے وہ پری کی پرواز کے فرحت بخش پنکھے سے بھی نفرت کرے۔



خاکِ صحرائے نجف جوہرِ سیرِ عرفا — چشمِ نقشِ قدم آئینۂ بختِ بیدار

زائرینِ نجف کے پاؤں کے نقش خوش بختی کا آئینہ ہیں اور اس آئینہ کا جوہر صحرائے نجف کی دھول ہے جو پاؤں سے روندی جاتی ہے۔

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز — گرد اس دشت کی امید کو احرامِ بہار

صحرائے نجف کی دھول کا ہر ایک ذرہ آفتاب کے لئے باعثِ صد فخر ہے اور وہاں کی گرد (مٹی) زائرین کے لئے خوشی کا باعث ہے۔

آفرینش کو وہاں سے طلبِ مستیِ ناز — عرضِ خمیازۂ ایجاد ہے ہر موجِ غبار

پیدائش کو وہاں سے جوشِ فخر کی طلب ہے اور نجف کی گرد کی ہر ایک لہر شوق کا اظہار کر رہی ہے۔

## مطلعِ ثانی

فیض سے تیرے ہے اے شمعِ شبستانِ بہار — دلِ پروانہ چراغاں، پرِ بلبل گلزار

اے موسمِ بہار کی شمع! تیرے فیض سے پروانہ کا دل چراغاں بن گیا ہے اور بلبل کے پر گلزار کی طرح خوشنما ہوتے ہیں۔

شکلِ طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز — ذوق میں جلوہ کے تیرے بہوائے دیدار

تیرے جلوہ دیدار کے شوق سے آئینہ خانہ مور کی طرح محوِ پرواز دکھائی دیتا ہے۔

تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں — سلکِ اختر میں مہِ نو مژۂ گوہر بار

(حضرت علی) تیری اولاد (حضرت امام حسین) کی شہادت کے غم سے آسمان پر ستارے ہلال کی آنکھ سے آنسو کی بوندیں ٹپکتی دکھائی دیتی ہیں۔

ہم عبادت کو ترا نقشِ قدم مہرِ نماز — ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار

تیری پیروی نماز کے لئے وضو ہے۔ وہ ریاضت کے لئے تیرے حوصلہ سے پرداخت پیدا ہوتی ہے۔

**مدح میں تیری زبان زمزمۂ نعت نبی     بام سے تیرے علیاں بادۂ جوش مظہر**

تیری تعریف میں پیغمبر کی نعت کا راز مضمر ہے۔ اور تیرے بام معرفت سے راز توحید ٹپکتا ہے۔

**جوہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر     یک طرف نازش مژگان و دگر سو غم خار**

تیرے دست دعا کا آئینہ خط جوہر نہیں بلکہ تاثیر مجسم ہے۔ جس کی طرف ذرا توجہ دی کہ سینکڑوں غم حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔

**مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبال نگاہ     خاک در کی تیرے جو چشم نہ ہو آئینہ دار**

جو نگاہ تیرے در کی خاک کی تابع فرمان نہ ہو وہ اقبال کی ماتم کدہ بن جائے۔ اور سوگوار ہو۔

**دشمن آل نبی کو بہ طرب خانۂ دہر     عرض خمیازۂ سیلاب ہو طاق دیوار**

حضرت محمد صاحب کی اولاد کے دشمن کو دنیا کی مسرت گاہ سیلاب زدہ گھر کی مانند ہو۔

**دیدہ تا دل اسد آئینۂ یک پرتو شوق     فیض معنی سے خط ساغر راقم سرشار**

دیدہ سے دل تک حضرت علی کی محبت کا عکس ہے اور یہ تحریر ہے ساغر دل کو مسرور کر رہی ہے۔

(۳)

**دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں     ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں**

کائنات معشوق حقیقی کے جلوۂ یکتائی کی مظہر ہے۔ اگر خدا اپنے آپ کو دیکھنا نہ چاہتا تو ہم وجود پذیر نہ ہوتے۔



**بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق     بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دین**

تماشا گاہ عالم کو دیکھنے کا شوق نہیں کیونکہ اس سے کوئی عبرت نہیں ملتی۔ اور خواہشات مردہ ہو گئی ہیں نہ دین کا شوق ہے اور نہ دنیا سے محبت۔

**ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بم ہستی و عدم     لغو ہے آئینۂ فرق جنون و تمکین**

عدم و وجود ہمارے نزدیک بلند و پست شعر ہے اور جنون و خودداری کو دکھانے والا آئینہ (دنیا) لغو اور بے حقیقت ہے۔

**نقش معنی ہمہ خمیازۂ عرض صورت     سخن حق ہمہ پیمانۂ ذوق تحسین**

سچی بات سراسر خود ستائی کا پیمانہ ہے۔ اور حقیقت ظاہریت کے اوصاف کی خواہش کا نقش ہے۔

**لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم     درد یک ساغر غفلت ہے چہ دنیا و چہ دین**

عبادت کا فائدہ اور عقلمندی کے لئے لاف و گزاف کا ہیچ پوچ ہے۔ کیونکہ ہر ایک آدمی پر دنیا و دین کی غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

**مثل مضمون وفا باد بدست تسلیم     صورت نقش قدم خاک بفرق تمکین**

جس طرح وفاداری اور تسلیم و رضا کا خیال تمام ہے۔ اسی طرح تمکنت کے سر پر مٹی کے نشان پائے جاتے ہیں۔

**عشق بے ربطیٔ شیرازۂ اجزائے حواس     وصل زنگار رخ آئینۂ حسن یقین**

عشق حواس کے شیرازہ کی بے ترتیبی ہے۔ اور وصل حسن یقینی کے آئینہ پر زنگار ہے۔

**کوہکن گرسنہ مزدور طرب گاہ رقیب     بے ستون آئینۂ خواب گران شیریں**

فرہاد نے کوہ بے ستون کو شیریں سے وصال کے وعدہ پر ایک حریص مزدور کی طرح کاٹا تھا۔ جس سے اس کا عشق بے غرض معلوم نہیں ہوتا۔

کس نے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز — کس نے پایا اثرِ نالۂ دلہائے حزیں

کسی نے وفاداروں کی آہوں کو آتش بار دیکھا ہے اور کسی نے غمناک نالوں میں اثر دیکھا ہے۔

سامعِ زمزمۂ اہلِ جہاں ہوں لیکن — نہ سر و برگِ ستائش نہ دماغِ نفریں

اگرچہ دنیا والوں کی زمزمہ آرائی سننے والے ہوں تو نہ اس کی تعریف اور نہ اظہارِ نفرت کر سکیں۔

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ — یک قلم خارجِ آدابِ وقار و تمکیں

میں کیا یاوہ گوئی کر رہا ہوں۔ یہ سب باتیں آداب و وقار سے خارج ہیں۔

نقشِ لاحول لکھ اے خامۂ ہذیاں تحریر — یا علی عرض کر اے فطرتِ وسواس قریں

اے ہذیان گو قلم بیہودگی سے باز آ۔ اے فطرتِ انسان شبہات سے دور ہو کر یا علی کر۔

مظہرِ فیضِ خدا جانِ دلِ ختمِ رسل — قبلۂ آلِ نبی کعبۂ ایجادِ یقیں

فیوضِ الٰہی کے اظہار کرنے والے اور حضرت محمد صاحب کے دل و جان اور اولادِ نبی میں سب سے بزرگ اور دنیا نے ایمان کے کعبہ [illegible] حضرت علی کی جانب ہے۔

ہو وہ سرمایۂ ایجادِ جہاں گرم خرام — ہر کفِ خاک ہے واں گردۂ تصویرِ زمیں

وہ ایجاد کرنے کا خزانہ جہاں خوش خراماں ہو وہاں کی ہر مشتِ خاک [illegible] حلقہ بگوش ہو جائے۔

جلوہ پیرا ہو اگر نقشِ قدم اس کا جہاں — وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی امیں

جہاں اس کا قدم جلوہ افروز ہو۔ وہاں کی مٹی بھر خاک دونوں جہان کی عزت کی محافظ ہو جائے۔



نسبتِ نام سے اس کو ہے یہ رتبہ کہ رہے — ابداً پشتِ فلکِ خم شدۂ نازِ زمیں

نام نسبت ابوتراب ہونے سے اسے یہ رتبہ ملا ہے۔ جس کے باعث ابد تک یہ آسمان زمین کی طرف جھکا ہوا ہے۔

فیضِ خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا — بوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں

اس کی اخلاقی بخشش کے اثر سے بادِ نسیم بھی پھولوں کی خوشبو سے معطر رہتی ہے۔

برشِ تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا — قطع ہو جائے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

اس کی تلوار کی برش کا دنیا میں شہرہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ سلسلۂ ایجاد منقطع ہو جائے۔

کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے — رنگِ عاشق کی طرح رونقِ بتخانۂ چیں

اس کا جلوہ کفر کو بالکل فنا کرنے والا ہے۔ جس سے بت خانۂ چین کی رونق عاشق کے اڑے ہوئے رنگ کی طرح مٹ جائے۔

جاں پناہا دل و جاں فیض رسانا شاہا — وصیِ ختمِ رسل تو ہے بفتوائے یقیں

یقینی طور پر یہ ہے کہ اے شہنشاہ تو دل و جان کو امان دینے والا فیض بخش اور ختم المرسلین کا وصی ہے۔

جسمِ اطہر کو ترے دوشِ پیمبر منبر — نامِ نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگیں

تیرے جسمِ پاک کو پیغمبر کندھے پہ لیے پھرتے تھے۔ اور تیرا نام عرش کی پیشانی پہ نگینہ ہے۔

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب — شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں

واجب الوجود کے سوا کوئی تیری تعریف نہیں کر سکتا۔ جس طرح شمع ہی شمع کی مدحت کر سکتی ہے۔

(۵)

ہاں دلِ دردمند زمزمہ ساز — کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز

اے زمزمہ سرائی کرنے والے دردمند دل! تو کیوں راز کے خزانہ کا منہ نہیں کھولتا۔

خامہ کا صفحہ پہ رواں ہونا — شاخِ گل کا ہے گل فشاں ہونا

قلم کا کاغذ پر رواں ہونا۔ پھولوں کی شاخ کا پھول برسانا ہے۔

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے — نکتہ ہائے خرد فزا لکھیے

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کہ کیا لکھنا چاہیے عقل و بصیرت کو فزوں تر کرنے والے نکات لکھیے۔

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے — خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے

مختصراً کچھ آموں کا ذکر کیا جائے اور خامہ شیرینی ٹپکانے لگ جائے۔

آم کا کون مردِ میداں ہے — ثمر و شاخ گوئے و چوگاں ہے

آم کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس کا پھل گیند اور شاخ چوگان ہے۔

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں — آئے یہ گوئے اور یہ میداں

انگور کے دل میں جنگ آزمائی کا شوق نہ رہے۔ آئے۔ گیند اور میدان موجود ہے۔

آم کے آگے پیش جاوے خاک — پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک

انگور کی آم کے سامنے پیش نہیں جا سکتی۔ وہ اپنے غصہ سے جلا جاتا ہے۔

نہ چلا جب کسی طرح مقدور — بادۂ ناب بن گیا انگور

جب انگور کی آم سے مقابلہ کی طاقت نہ رہی تو وہ انگوری شراب بن گیا۔



یہ بھی ناچاری کا کھونا ہے — شرم سے پانی پانی ہونا ہے

یہ بھی ایک طرح سے وقتِ ندامت سے پانی پانی ہونا ہے۔

مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے — آم کے آگے نیشکر کیا ہے

تمہیں علم نہیں مجھ سے دریافت کرو آم کے سامنے نیشکر بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ و بار — جب خزاں آئے تب ہو اس کی بہار

نہ اس (گنے) میں پھول نہ ٹہنی نہ پتا نہ پھل اور خزاں میں پکنے والا۔

اور دوڑائیے قیاس کہاں — جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں

اور کیا قیاس کریں۔ انسان کی زندگی میں بھی ایسی شیرینی نہیں ہے۔

جان میں ہوتی گر یہ شیرینی — کوہکن باوجود غمگینی

اگر زندگی اس قدر لذت افروز شے ہوتی تو کوہکن رنج و غمِ عشق میں جان کیوں ضائع کر دیتا۔

جان دینے میں اس کو یکتا جان — پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان

جان قربان کرنے میں وہ بے مثل تھا۔ تو بھی اس قدر آسانی سے جان قربان نہ کرتا۔

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر — کہ دواخانۂ ازل میں مگر

یہ پھل مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے۔ شاید ازل کے دواخانہ میں۔

آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام — شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام

پھولوں کی سرخی پر قند کا قوام ہے۔ اور شیرے کے تار آم کے ریشے ہیں۔

یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے — باغبانوں نے باغِ جنت سے

یا یہ کہ جوشِ محبت سے باغبانوں نے جنت کے باغ سے۔

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضورِ والا نے — مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی

حضور بادشاہ نے جو بیسن کی روٹی بھیجی ہے تو مجھ سے اس کی حقیقت نہ پوچھ۔

نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر — جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

حضرت آدم اگر گیہوں کی بجائے بیسن کی روٹی کھاتے تو بہشت سے نہ نکالے جاتے۔

## بیانِ مصنّف

(۶)

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی — اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے

اپنی طبیعت کا حسن کمال دکھانا میرا مقصد نہیں حقیقتِ حال بیان کرنا چاہتا ہوں۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری — کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

سو پشت سے میرے بزرگ سپہ گری کرتے آئے ہیں شاعری میرے لئے باعثِ افتخار نہیں ہے۔

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلحِ کل — ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

میں آزاد ہوں اور صلحِ کل کے مسلک پر چلنے والا ہوں کسی سے دشمنی نہیں رکھتا۔

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں — مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

بہادر شاہ کا غلام ہونے سے کوئی کم رتبہ نہیں ہے کیا ہوا جو مجھے کوئی بڑا رتبہ، عہدہ یا ثروت حاصل نہیں ہے۔



استادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال — یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

(اس حالت میں) بادشاہ کے استاد (حضرت ذوق) سے کوئی عداوت نہیں رکھتا یہ میری تاب و طاقت سے باہر ہے۔

جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر — سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

بادشاہ کا دل جامِ جہاں نما ہے۔ تصدیق کے لئے نہ مجھے گواہ کی حاجت ہے نہ سوگند کی۔

میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدعا — جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے

میں کیا اور میری شاعری کیا اس سے تو صرف بادشاہ کے دل کو خوش کرنا منظور ہے۔

سہرا لکھا گیا ز رہِ امتثالِ امر — دیکھا کہ چارہ غیرِ اطاعت نہیں مجھے

سہرا تو محض حکم پر لکھا گیا تھا کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا۔

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات — مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

آخری بند کے شاعرانہ طرزِ بیان سے میرا مقصد ترکِ محبت نہیں ہے۔

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ — سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

اگر کسی پر چوٹ کی ہو تو میرا منہ سیاہ ہو۔ مجھے پاگل پن یا جنون کا مرض نہیں ہے۔

قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں — ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

قسمت بری سہی لیکن میری طبیعت بری نہیں ہے ہر وقت شکر ہے کہ مجھے کسی سے شکایت کی ضرورت نہیں ہے۔

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ — کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

اے غالب! خدا گواہ ہے کہ میں اپنے قول کا سچا ہوں۔ سچ کہتا ہوں۔ جھوٹ کی عادت نہیں ہے۔

## مارچ

(۷)

**نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے — تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے**

نصرت الملک بہادر! مجھے بتاؤ کہ تیرے ساتھ جو اس قدر خلوص نیت ہے وہ کس وجہ سے ہے۔

**گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے — رونق بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے**

تو وہ ہے کہ اگر دربار آراستہ کرے تو مہر و ماہ کی محفل کی رونق تیری ذات سے ہو سکتی ہے۔

**اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں — غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے**

اور میں وہ ہوں کہ اگر کبھی دل میں غور کروں تو غیر تو غیر مجھے اپنی طرز زندگی سے نفرت آتی ہے۔

**خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے سر دست — نسبت اک گونہ مرے دل کو ترے ہات سے ہے**

درماندگی کا بھلا ہو کہ سر دست تیرے ہاتھ کے ساتھ میرے دل کو ایک گونہ تعلق ہے۔

**ہاتھ میں تیرے رہے توسن دولت کی عناں — یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے**

شام و سحر میری بارگاہ الٰہی میں یہ دعا ہے کہ دولت (حکومت) کے گھوڑے کی باگ تیرے ہاتھ میں رہے۔

**تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا — گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے**



تو میرے لئے سکندر ہے اور تیرا دوست ہونا میرے لئے باعث فخر ہے اگرچہ مجھے حضرت خضر سے ملاقات کا شرف حاصل ہے۔

**اس پہ گذرے نہ گماں ریو و ریا کا زنہار — غالب خاک نشیں اہل خرابات سے ہے**

غالب جو اہل خرابات سے ہے اور حقیر طبیعت رکھتا ہے بالکل سچ کہتا ہے کذب و فریب کی اسے عادت نہیں ہے۔

(۸)

**ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو — رکھ دیں چمن میں بھر کے مئے مشکبو کی ناند**

چلو آج بدھ کے روز ماہ صفر کی آخری تاریخ کو باغ میں خوشبو دار شراب کا دور (کونڈا) بھر کے رکھ دیں۔

**جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے مست — سبزے کو روندتا پھرے پھولوں کو جائے پھاند**

جو دوست آئے پیالہ بھر کے پئے اور مست ہو کر سبزہ زار کو روندے اور پھولوں پر پھاندتا پھرے۔

**غالب یہ کیا بیاں ہے بجز مدح بادشاہ — بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشتہ خواند**

غالب تو کیا بیان کرتا ہے۔ مجھے تو بادشاہ کی تعریف کے بغیر لکھنا پڑھنا بھاتا ہی نہیں ہے۔

**بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلے حضور میں — ہے جن کے آگے سیم و زر مہر و ماہ ماند**

بادشاہ کے دربار میں سونے اور چاندی کی انگشتریاں انعام میں دی جاتی ہیں جن کی چمک دمک کے سامنے چاند سورج اور زر و سیم ماند ہیں۔

**یوں سمجھئے کہ بیچ سے خالی کئے ہوئے — لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند**

یہ یوں سمجھئے کہ لاکھوں سورج اور بے شمار چاند بیچ سے خالی خالی کر کے بادشاہ کے سامنے رکھ دیئے گئے ہیں۔

# گذارش مصنّف بحضور شاہ

(۱۱)

اے شہنشاہ آسماں اورنگ    اے جہاندار آفتاب آثار

اے شہنشاہ تیرا تخت آسمان ہے۔ اے آفتاب کی مانند جہان کے مالک!

تھا میں اک بے نوائے گوشہ نشیں    تھا میں اک دردمند سینہ فگار

میں ایک مفلس گوشہ نشین دردمند اور سینہ فگار آدمی تھا۔

تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی    ہوئی میری وہ گرمی بازار

تیری عزت افزائی سے مجھے اس قدر شہرت حاصل ہوئی ہے۔

کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز    روشناس ثوابت و سیار

کہ مجھ سا حقیر آدمی بڑے بڑے باقسمت آدمیوں سے ملنے جلنے لگ گیا۔

گرچہ از روئے ننگ بے ہنری    ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار

اگرچہ میں بے ہنر ہونے کی وجہ سے اپنے آپ اتنا ذلیل ہوں۔

کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی    جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار

کہ اگر میں خود کو خاک تصور کروں تو جانتا ہوں کہ اس سے مٹی کو بھی شرم آئے گی۔

شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں    بادشاہ کا غلام کارگزار

اپنے جی میں خوش ہوں کہ بادشاہ کا خدمتگار غلام ہوں۔

خانہ زاد اور مرید اور مداح    تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار



گھر میں پلا ہوا۔ مرید اور ثنا خوان ہمیشہ سے رہا ہوں۔

بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر    نسبتیں ہو گئیں مشخص چار

خدا کا شکر ہے کہ حضور کا نوکر ہو گیا اور چار قسم کے تعلق قائم ہو گئے ہیں۔

نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں    مدعائے ضروری الاظہار

اگر آپ سے تمام ضروری امور کی گذارش نہ کروں تو کس سے کروں۔

پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں    ذوق آرائش سر و دستار

پیر و مرشد اگرچہ مجھے سر کی پگڑی کی زینت کا شوق نہیں ہے۔

کچھ تو جاڑے میں چاہیئے آخر    تا نہ دے باد زمہریر آزار

آخر کار سردی کے موسم کی سخت ٹھنڈک سے بچنے کے لئے کچھ تو ضروری ہے

کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش    جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار

مجھے لباس کی کیوں نہ ضرورت پڑے کیونکہ میں کمزور جسم رکھتا ہوں۔

کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال    کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار

اس سال کوئی کپڑا خریدا اور بنایا نہیں ہے۔

رات کو آگ اور دن کو دھوپ    بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار

رات کو آگ اور دن کو دھوپ تاپ کر گذارنے والے دن بھاڑ میں جائیں۔

آگ تاپے کہاں تلک انسان    دھوپ کھائے کہاں تلک جاندار

انسان کہاں تک آگ تاپے اور جاندار کہاں تک دھوپ کھائے

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی    وقنا ربنا عذاب النار

دھوپ کی تپش اور آگ کی گرمی۔ خدا ہی اس گرمی کے عذاب سے بچائے۔

میری تنخواہ جو مقرر ہے — اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار

میری مقررہ تنخواہ کے ملنے کا عجیب انداز ہے۔

رسم ہے مردے کی چھ ماہی ایک — خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

جس طرح مُردوں کی چھ ماہی منانے کا دنیا میں رواج ہے۔

مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیدِ حیات — اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

مجھے دیکھو تو زندہ ہوں۔ لیکن میری چھ ماہی سال میں دو بار آتی ہے۔

بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض — اور رہتی ہے سود کی تکرار

اسی لئے میں ہر ماہ قرض اٹھاتا ہوں اور اس پر مقررہ سود پڑتا ہے۔

میری تنخواہ میں تہائی کا — ہو گیا ہے شریک ساہوکار

میری تنخواہ کے تیسرے حصے کا مالک ساہوکار ہو گیا ہے۔

آج مجھ سا نہیں زمانے میں — شاعر نغز گوے خوش گفتار

آج زمانے میں میرے جیسا بہت پسند اور خوش گفتار کوئی نہیں ہے۔

رزم کی داستان گر سنیے — ہے زباں میری تیغ جوہر دار

جنگ کی داستان سنانے میں میری زبان جوہر دار تلوار ہے۔

بزم کا التزام گر کیجے — ہے قلم میرا ابرِ گوہر بار

اگر محفل کا التزام ہو تو میرا قلم موتیوں کی جھڑی لگانے والا بادل ہے۔

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد — قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار

میرے اشعار کی داد نہ دو گے تو ظلم کرو گے۔ اور اگر محبت نہ کرو گے تو غضب ہوگا۔

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا — آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار

آپ کا غلام ہو کر ننگا رہوں۔ اور آپ کا نوکر ہو کر ادھار کھاؤں۔



میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ — تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار

مجھے ماہ بماہ تنخواہ دلوائیے۔ تاکہ زندگی دوبھر نہ رہے۔

ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام — شاعری سے نہیں مجھے سروکار

شاعری کے ہنر نہیں جانتا۔ اب اس دعا پر گفتگو ختم کرتا ہوں۔

تم سلامت رہو ہزار برس — ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

حضور ہزار برس زندہ رہیں اور ہر برس پچاس ہزار دن کا ہو۔

(۱۲)

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے — جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے

جو شخص فتح یا فتح مندی کا خواہشمند ہو اس کے لئے میرے جیسے بدبخت کا نام لینا واجب نہیں ہے۔

ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے — کہ جو شریک ہو میرا شریکِ غالب ہے

مجھے کبھی کسی پر غلبہ حاصل نہیں ہوا اس لئے میرا ہر ایک شریکِ کار غالب رہتا ہے اور میری وجہ سے نقصان میں رہتا ہے۔

(۱۳)

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آ پڑی — مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر بن ہوئے

مسہل تو آسان سا تھا مگر یہ مشکل آ پڑی کہ جلاب کی وجہ سے اتنے دن غیر حاضر ہو گیا۔

تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد — تین مسہل تین تبریدیں یہ سب کتنے دن ہوئے

تین دن مسہل سے پہلے تین دن بعد تین دن جلاب کے اور تین دن تیاری کے لئے یہ سب کتنے دن ہوئے۔

(۱۴)

خجستہ انجمنِ طوے میرزا جعفر    کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے جی محظوظ

مرزا جعفر کی برات کا جشن مبارک ہے کہ جس کو دیکھ کر سب کا جی خوش ہو گیا۔

ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالبؔ    نہ کیوں ہو مادۂ سالِ عیسوی محظوظ

ایسے مبارک سال میں شادی ہوئی ہے کہ اس کی تاریخ کا مادہ بحساب سالِ عیسوی کیوں ۱۸۵۴ نہ ہو۔

(۱۵)

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی    ہوا بزمِ طرب میں رقصِ ناہید

جب مرزا جعفر کی شادی ہوئی تو محفلِ مسرت میں زہرہ کا ناچ ہوا۔

کہا غالبؔ سے تاریخ اس کی کیا ہے    تو بولا انشراحِ جشنِ جمشید

غالبؔ سے اس کی تاریخ دریافت کی گئی تو اس نے کہا "انشراحِ جشنِ جمشید" یعنی جشنِ جمشید منایا جاتا۔

(۱۶)

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں    دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں

اگرچہ ایک بادشاہ کے خانہ زاد ہونے پر بھی درباری لوگ آپس میں واقف نہیں ہیں۔

کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام    اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

سلام کرتے وقت اپنے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم واقف نہیں ہیں۔

# رباعیات

بعد از اتمامِ بزمِ عیدِ اطفال    ایامِ جوانی رہے ساغر کشِ حال



آ پہنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم    اے عمرِ گزشتہ یک قدم استقبال

بچپن کی بزمِ عید ختم ہونے کے بعد جوانی کے ایام میں مست رہے۔ اب ملکِ عدم کی حدود تک آ پہنچے ہیں۔ اے عمرِ گزشتہ! ایک قدم ہمارے استقبال کو آئیو۔

شب زلف و رخِ عرق فشاں کا غم تھا    کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا

رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک    ہر قطرۂ اشک دیدۂ پُرنم تھا

رات کو زلف اور رخِ عرق فشاں کے پسینے کے قطرات کا غم کر رہا تھا۔ کیا کہوں یہ کیسا عالم تھا۔ صبح تک خوب اشک باری کی جس سے میرا ہر آنسو پُرنم آنکھ بن گئی۔

آتش بازی ہے جیسے شغلِ اطفال    ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال

تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی    لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال

جس طرح آتش بازی لڑکوں کا ایک شغل ہے۔ اسی طرح سوزِ جگر کی حالت ہے۔ عشق کا موجد بھی قیامت کا فتنہ انگیز تھا۔ جس نے لڑکوں کے لیے یہ کھیل ایجاد کیا ہے۔

دل تھا کہ جو جانِ دردِ تمہید سہی    بیتابیِ رشک و حسرتِ دید سہی

ہم اور فسردن اے تجلی افسوس    تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

کبھی تو درد کی تمہید والی باتوں میں دل رکھتے تھے۔ جو بیتابی۔ رشک اور حسرتِ دید رکھتا تھا۔ افسوس دل بجھ گیا ہے۔ اگر یہ پھر روشن نہیں ہو سکتا تو کوئی اور تجدید، غم و حسرت ہی سہی۔

ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لیے    وحشت کدۂ تلاش لڑنے کے لیے

یعنی ہر بار صورتِ کاغذِ باد    ملتے ہیں یہ بدمعاش لڑنے کے لیے

کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ — وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

ہم اگرچہ ان کے پاس جا کر سلام کیا کرتے ہیں۔ مگر دید کرنے والے منت سماجت کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا سے اپنا مدعا بیان کریں۔ مگر خدا ہی تو ہے جو صبح و شام ولایت لعل پیدا کرتا رہتا ہے۔

سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں — آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن — خس خانہ و برف آب کہاں سے لاؤں

کھانے پینے کا سامان کہاں سے لاؤں۔ آرام کرنے کے لئے بھی اسباب بھی میسر نہیں ہے۔ غالب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ روزہ پر میرا اعتقاد ہے۔ لیکن اس کے لئے دل ٹھنڈا رکھنے کے لئے خس خانہ اور برف کا پانی کہاں سے میسر ہو۔

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے — بھیجے ہیں جو ارمغاں شہ والا نے
گن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار — فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

کوئی کیا جانے کہ بادشاہ نے جو سیم کے بیج بھیجے ہیں وہ کیا چیز ہیں — درحقیقت یہ فیروزہ کی تسبیح کے دانے ہیں جن کو پھرا کر ہم بادشاہ کو سینکڑوں بار دعائیں دیں گے۔

---

ختم شد



تتمہ:— حضرت نیاز فتحپوری کا ایک پُر از معلومات مقالہ

# مرزا غالب اور بیدل

سلسلۂ بحث میں صرف دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) کیا غالب نے بیدل کا تتبع کیا اور کیوں؟ (۲) کیا اس سعی میں وہ ناکام رہا، مع اسباب و وجوہات!

پہلے سوال کا اول جزو اپنے ثبوت کے لئے زیادہ کاوش کا محتاج نہیں خود غالب کا بیان کافی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

— طرز بیدل میں ریختہ کہنا — اسد اللہ خاں قیامت ہے
— اسد ہر جا سخن نے طرح باغ تازہ ڈالی ہے — مجھے رنگ بہار ایجادی بیدل پسند آیا
— مطرب دل نے مرے تار نفس سے غالب — ساز پر رشتہ پئے نغمۂ بیدل باندھا

دوسرے شعر میں غالب صاف یہ اعتراف کرتا ہے کہ مجھے بیدل کی بہت طرزیں پسند ہیں جسے وہ بیدل کے مخصوص انداز میں "رنگ بہار ایجادی" سے تعبیر کرتا ہے۔ تیسرے شعر میں وہ زیادہ قوت کے ساتھ ظاہر کرتا ہے کہ میرا تار نفس نغمۂ بیدل کے لئے وقف ہے۔ پہلا شعر بہت بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ جب خود اس نے محسوس کر لیا کہ بیدل کا تتبع ممکن نہیں۔

اسی کے ساتھ جب شاعری کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تو کثرت سے اس کی شہادتیں ملتی ہیں۔ کہ غالب نے ریختہ میں کہاں کہاں اور کس کس طرح "بیدل سرائی" کی ہے۔ نسخۂ حمیدیہ کے دیکھنے سے تو پھر اس [illegible] معلوم کر سکتے ہیں کہ

وہ فارسی ترکیبیں بھی اغلاق پسندی کی حد تک استعمال کر سکتا تھا۔ جو اس کا طبعی رجحان تھا۔ اور اپنے تخیل میں بھی ندرت و اپچ کی صورت پیدا کر سکتا تھا۔ جو اس کا ذہنی میدان تھا۔

پھر اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ غالب کی ناکامی کے اسباب کیا تھے۔ اس پر غور کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ کلام بیدل کی خصوصیات کو مختصراً ظاہر کر دیا جائے۔

اکثر تذکرہ نویسوں نے جن میں مولانا شبلی مرحوم بھی شامل ہیں، بیدل کے سمجھنے میں سخت غلطی کی ہے اور اسی لئے اس کے کلام پر وہ صحیح تنقید نہ کر سکے اس پر سب سے بڑا الزام یہ رکھا گیا ہے کہ اس کے کلام میں فارسیت نہ تھی۔ اور دور از کار استعارات و تشبیہات نے اس کے کلام کو اغلاق و اہمال کی حد تک پہنچا دیا تھا۔ یہ الزام اگرچہ واقعی بیدل کے لئے کوئی الزام ہو سکتا ہے، یقیناً ایک حد تک صحیح ہے۔ کیونکہ فنی لطف زبان نہ اس کا مقصود تھا۔ اور نہ زبان کی پابندی کے ساتھ وہ اپنے خیالات کو ادا کر سکتا تھا۔ وہ اپنے خیالات کو نئے پیرائے میں کہنا چاہتا تھا۔ اور جب زبان کی تمام معمولی و متداول ترکیبیں ناکافی ثابت ہوتی تھیں۔ تو بالکل الہامی و وجدانی طور پر از خود نئی نئی ترکیبیں اس کے ذہن سے پیدا ہوتی تھیں۔ اور اس طرح گویا وہ اپنی ندرت تخیل کے ساتھ ساتھ ایک نئی زبان بھی پیدا کر رہا تھا۔ بیدل کو محض شاعر کہنا اور شاعر سمجھ کر اس کے کلام پر تنقید کرنا درست نہیں۔ وہ شاعر سے زیادہ بلند چیز تھا۔ بلکہ اس سے بڑی ایک خلاق سخن تھا۔ ایک پیام رسان قدرت تھا۔ حسن و عشق کی معمولی شاعری اس کے ذوق سے بہت فروتر چیز تھی۔ اور اس کا ہر ہر لفظ ایک ایسا الہامی نغمہ تھا جس کی مثال سوائے الہامی کتب کے اور کسی جگہ نہیں مل سکتی۔ پھر ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو صرف سعدی نظامی



حافظ فردوسی عرفی نظیری کی سطح سے بیدل کا مطالعہ کریں گے وہ یقیناً کوئی لطف اس کے کلام میں نہ پائیں گے۔ اور جنہوں نے وہ مخصوص ذہنیت فطرت کی طرف سے نہیں پائی ہے۔ جو بیدل کے حقائق و معارف کو سمجھ سکے۔ وہ اگر اس کے کلام کو مغلق محض اور لغو نہ قرار دیں تو تعجب ہے۔

بیدل اپنے بعد لاکھوں شعر اور سینکڑوں صفحے نثر کے چھوڑ گیا لیکن آپ باوجود سعی و کاوش اس کا ایک مصرعہ یا ایک فقرہ بھی ایسا نہیں دکھا سکتے جو اس کے حقیقی رنگ۔ اس کے عمومی پیام سے علیحدہ ہو۔ اس کی شاعری اس کی انشا یکسر وقف تھی صرف ایک جذبے کے اظہار کے لئے کہ خالق و مخلوق کا تعلق نمائش و لانمائش کا سا تعلق ہے۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ جو حقیقتاً صرف ایک پرتو ہے اسی ایک آفتاب کبریائی کا۔ اپنے مرکز اصلی۔ اپنے منبع فطری تک پہنچنے کے لئے بیتاب ہے۔ اور یہ تمام جستجو صرف ایک حیرت ہے غیر متناہی ایک حیرانی ہے ابدی اور ایک بے کسی و بیچارگی ہے ناقابل علاج۔

کلیات بیدل کے تمام مجموعہ میں صرف رقعات ہی کا حصہ ایسا ہو سکتا تھا جس میں اس امر کا امکان تھا کہ وہ اپنی نگاہ کو بلندی سے ہٹا کر پستی کی طرف مائل کرتا۔ لیکن اس پر اتنا زبردست رنگ چڑھا ہوا تھا کہ دنیاوی تعلقات و معاملات کے اظہار میں وہ اپنے حقیقی رنگ طبیعت کو نہیں چھوڑتا اور مادی تعلقات کی دنیا کو بھی وہ بالکل آسمانی و الہامی صورت سے پیش کرتا ہے

وہ ایک شخص کو خط لکھتا ہے اور اس کی تعبیر ان الفاظ میں کرتا ہے ؎

شاد باش آں کہ آخر قطرہ‌ات دامی شود ‖ قطرہ ماہی رسد جائے کہ دریا می شود

کسی دوست کی پرسش پر وہ اس رنگ میں اظہار کرتا ہے ؎

وحشت نامہ عشق تا دانستہ رمیدہ گرفتہ است ‖ اے حیا آہم مکن از ننگ صیادم مپرس